وہ حیات کے سلسلے

نبیلہ ابر راجہ

نبیلہ ابر راجہ

رہِ حیات کے سلسلے

ان آنکھوں نے جو کچھ دیکھا (کیا؟ دیکھا؟)
اے دل بیتا کس منہ سے کہیں (اسی فتنے منہ سے)
کچھ اپنوں کا ستایا ہے۔ (اگر قرابت داری کا اتنا ہی لحاظ ہے تو پھر یہ شور)
بہتر ہے کہ خاموش رہیں (کس نے روکا ہے؟)
جب گلہ کر نہ سکیں ہم ان سے (حسرت ان غنچوں پہ ہائے)
غیروں سے شکایت کون کرے (اب کیا کر رہے ہو؟)

ولید ٹیرس پہ جھکا گزشتہ پندرہ منٹ سے دل ہی دل میں یہی گنگنائے جا رہا تھا اور تیمور اس کا سنگی' اس کا ساتھی بجائے داد دینے کے دل جلے فقرے کس رہا تھا۔

بات ہی ایسی تھی۔ بے چارے ولید کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اشرف علی کی بہو پہ جو نظر پڑ گئی تھی اور نظر ایسی تھی کہ پلٹ کر واپس آنے سے انکاری تھی۔ اشرف علی کی بہو بس مقابلۂ حسن میں حصہ لینے سے رہ گئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ولید نے ساجدہ کو یہ کہہ کے ستایا

مکمل ناول

تک چہل قدمی کرتے دیکھا تو تیمور کو بھی آواز دے ڈالی۔

گلابی باریک جارجٹ کے کپڑوں میں ملبوس دوپٹہ بے نیازی سے گلے میں ڈالے ساجدہ کو چنداں احساس نہ تھا کہ دو نوجوان لڑکے اسے کن نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

"یہ آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟" حوریہ کی آواز پہ وہ دونوں بے اختیار بڑبڑا گئے اور نظروں کے زاویے کو فوراً درست کیا۔ حوریہ کی نظر ابھی تک ساجدہ پہ نہیں پڑی تھی کیونکہ وہ ان کے پیچھے تھی۔

"کچھ نہیں' بس موسم انجوائے کر رہے تھے۔" ساجدہ کو غڑاپ سے اندر گھستا دیکھ کر دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ ولید کی شکر گزار مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

حوریہ کی نگاہوں میں شک کی کیفیت ذرا دیر کے لیے لہرائی پھر وہ مطمئن ہو کر واپسی کے لیے مڑی اور پھر وہیں ٹھہر سی گئی۔ ولید اور تیمور نے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ عجیب سی مشکل میں گرفتار نظر آنے لگی۔ مصطفیٰ ادھر ہی آ رہا تھا۔ سنجیدہ سے مصطفیٰ کے سامنے اس کی یہی کیفیت ہوتی جبکہ وہ دونوں بھائی چھیڑ چھیڑ کر اس کا ناک میں دم کر دیتے۔

چھوٹے سے دل کی مالک ڈرپوک سی حوریہ انہیں بڑی عزیز تھی۔ تینوں بھائیوں کی وہ اکلوتی بہن تھی۔ بڑے بھائی عادل اپنی فیملی کے ساتھ بسلسلۂ ملازمت قطر میں مقیم تھے۔ ولید کا نکاح ہو چکا تھا۔ تیمور ابھی تک کنوارا تھا جبکہ حوریہ کی منگنی ابھی چار ماہ پہلے مصطفیٰ کے ساتھ ہوئی تھی۔

حوریہ کی شک والی عادت سے وہ دونوں بڑے بے زار تھے۔ ٹیلی فونک افیرز کی بے شمار کہانیاں وہ من و عن امی حضور کے گوش گزار کر دیتی۔ بعد میں ابا حضور کی عدالت میں طلبی ہوتی تو ان کے کوچے سے رسوا ہو کے نکلنا پڑتا جس پہ دانت پیسنے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکتے۔ البتہ موقع ملنے پر حوریہ سے بدلہ ضرور لیا جاتا۔

مصطفیٰ ولید اور تیمور کے ساتھ اندر جا چکا تھا۔ وہ بانو کی مدد کے خیال سے باورچی خانے میں آ گئی' جہاں وہ مصطفیٰ کی آمد کا سنتے ہی اچھے خاصے اہتمام میں مصروف تھی۔

چائے پی کر مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا تو ولید اور تیمور دونوں اسے گیٹ تک چھوڑنے آ گئے۔ ساجدہ' اپنے شوہر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ ولید نے ٹھنڈی آہ بھری تو مصطفیٰ نے اسے حیرت سے دیکھا جس پہ تیمور نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے کچھ سمجھاتے ہوئے ساجدہ کا تعارف کرایا۔

"یہ ہمارے فرسٹ ڈور نیبر ہیں۔" ادھورا سا تعارف تھا لیکن مصطفیٰ نے زیادہ کرید نہیں کی اور بائے بائے کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆ ☆ ☆

شام ڈھل رہی تھی۔ پروا آنگن میں ستون سے ٹیک لگائے اداس نگاہوں سے غروب ہوتے سورج کو دیکھ رہی تھی۔

اس کے اردگرد بڑی چہل پہل تھی' پر اس کے دل میں جانے کیوں ویرانی اور سناٹا تھا۔

اماں بھاگ بھری وضو کر کے مغرب کی نماز پڑھنے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی' اسے یوں گم صم سا دیکھا تو اس کی طرف آ گئی۔

"پیاری رانی! اندر آؤ' اذان ہو چکی ہے۔ نماز پڑھ لو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ خالی خالی سی نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی پھر دھیان آنے پہ دھیرے سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"ٹھیک ہے' میں وضو کر کے آتی ہوں۔" وہ دوپٹہ سر پہ درست کرتی سیدھی واش بیسن کی طرف آ گئی۔

نماز پڑھنے کے بعد اس نے بڑے خشوع و خضوع سے بابا کی درازی عمر کی دعا مانگی تو دل میں پھیلا سناٹا دھیرے دھیرے دم توڑنے لگا۔

جب بھی چھٹیوں میں وہ حویلی آتی تو بابا کو نہ پا کر اس کی یہی کیفیت ہوتی۔ اب بھی اسے واپس آ کے اطلاع ملی کہ بابا سائیں تو مہینہ ہوئے وہیں گئے ہوئے ہیں۔ کالج دس دن کے لیے بند تھے' وہ خوشی خوشی آئی تھی۔ یہاں آ کے ساری خوشی اداسی میں بدل گئی کہ بابا سائیں ہمیشہ کی طرح غائب تھے۔

جائے نماز تہہ کر کے وہ گلاس ونڈو کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس کا کمرہ جدید سہولیات سے آراستہ اور بڑا خوابناک سا تھا۔ بابا سائیں اس کے ذوق اور آرام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ اسے پھولوں سے عشق تھا۔ گلاس ونڈو کھولتے ہوئے باہر سامنے رنگ برنگے پھول نظروں کو تراوٹ پہنچاتے نظر آتے۔

اس کی زندگی میں ہر چیز ہر سہولت کی فراوانی تھی۔ بس کمی تھی تو بابا سائیں کے پیار کی' وہ شروع سے ترستی آئی تھی۔ ان کی مصروفیات سے سمجھوتہ نہیں کر سکی تھی اب تک۔ پہلے سمجھ اور عقل نہیں تھی وقت کے ساتھ ساتھ وہ حساس اور سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اب تو ذہن میں سوالات جنم لینے لگے تھے جو وہ بابا سائیں سے پوچھنا چاہتی تھی۔ پر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ چھ ماہ سے اس کی بابا سائیں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ صرف فون پہ سرسری سی بات ہوئی تھی۔ ان کی طرف سے وقت کی کمی کا عذر ہوتا اور اس کے دل میں بہت سی باتوں کی حسرت سی رہ جاتی۔

زارا کا فون آنے سے اس کے خیالات کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ "کیا کر رہی ہو۔" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ٹھیک ہوں اور کچھ بھی نہیں کر رہی۔ اداس ہوں' بور ہو رہی ہے۔" الفاظ کے برعکس اس کے لہجے میں کہیں بھی بوریت اور اداسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ساری اداسی اور کلفت زارا کی آواز سنتے ہی اڑنچھو ہو گئی تھی۔

"واپس آ جاؤ نا۔" اس نے بڑی منت سے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں کل ہی اللہ داد کے ساتھ واپس آنے کی کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں کرنی بلکہ ضرور آنا ہے' ورنہ تم جانتی ہو' میں کتنی بری آدمی ہوں۔"

"ہاں' میڈم! ہمیں پتہ ہے تم کتنی بری ہو۔ آخر کو اتنی پرانی دوستی ہے۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی جس پہ دوسری طرف موجود زارا تپ سی گئی۔

"دانت نہ نکالو اور جلدی آؤ' میں سچ مچ تمہیں مس کر رہی ہوں۔" وہ بڑی بے چارگی سے بولی۔

"چلو ٹھیک ہے' اب فون بند کرو۔ میں رات کھانے کے بعد میں بیک کروں گی۔"

"ٹھیک ہے' اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ' جلدی آنا۔" زارا آخری بار پھر بولی تو اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔

وہ بڑی سرشار سی تھی۔ زارا سے بات کرنے کے بعد ساری بیزاری دور ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھائی جان! آپ کی برتھ ڈے ہے' مجھے تو زبردست سی ٹریٹ لینی ہے۔" نائلہ لاڈ سے اس کے گلے میں لٹک سی گئی۔

"ٹریٹ کی بچی! تم ہر ماہ سے مجھ سے ٹریٹ کے نام پہ ٹھیک ٹھاک رقم ٹھگ لیتی ہو۔" سلیمان نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا تو وہ منہ بسورنے لگی۔

"میں نے تو ساری فرینڈز میں شو مار دی ہے کہ زبردست سی ٹریٹ دوں گی۔ میرے بھائی آفیسر ہیں' کوئی مذاق نہیں۔ اب تو میرے ساتھ آپ کی عزت کا بھی سوال ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے' تم جیت گئیں۔ اب ذرا اچھی سی چائے تو پلاؤ۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے' ساتھ کچھ کھانے کے لیے بھی لے آنا۔"

"ٹھیک ہے' میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ پھرتی سے باہر نکل گئی تو سلیمان ہنس پڑا۔

شام کو خولہ آپی اور آصف بھائی چلے آئے تو گھر میں چھوٹی موٹی سی دعوت کا گمان ہونے لگا۔ سونو اور سنی پورے گھر میں بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

چھوٹا سا خوش و خرم گھرانہ اصغر گیلانی کا تھا۔ سب سے بڑی خولہ' اس کے بعد سلیمان اور سب سے چھوٹی نائلہ تھی۔ خولہ شادی شدہ دو پیارے پیارے بچوں کی ماں کے اعزاز پہ فائز اپنے گھر میں خوش و خرم تھی۔

اصغر گیلانی کو اپنے ہونہار اور خوبرو بیٹے پہ بڑا مان اور غرور تھا۔ تینوں بچوں کی پرورش سلجھے ہوئے ماحول میں ہوئی تھی' اس لیے اصغر اور ثمینہ اپنے بچوں کی طرف سے مطمئن تھے۔

☆ ☆ ☆

پروا کے کپڑے اور دیگر سامان زینت نے صبح ہی پیک کر دیا تھا' وہ جانے کے لیے تقریباً تیار تھی' جب بابا سائیں کا فون آ گیا۔

"میں آ رہا ہوں' تم واپس نہ جانا۔" اسے کچھ کہنے سننے کا موقع دیے بغیر انہوں نے لائن کاٹ دی۔

تب سے وہ سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔ زینت دوبارہ اس کے کپڑے وارڈروب میں رکھ چکی تھی۔ ملازم بھی سرگرم نظر آ رہے تھے۔ آخر کو حویلی کا مالک اتنے

عرصے بعد واپس آ رہا تھا۔ اماں بھاگ بھری ایک ایک کو ہدایات دے رہی تھی۔ پروا نے اپنی نگرانی میں دوبارہ بابا سائیں کا کمرہ صاف کروایا۔ ایک ایک چیز کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا۔ کسی طرح تسلی ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اسے بے چینی سے بابا سائیں کی آمد کا انتظار تھا۔ صبح سے اس کے سیل نمبر پہ زارا کے کئی ایس ایم ایس آ چکے تھے۔ تنگ آ کر بیانۂ صبر لبریز ہونے کے بعد اس نے کال کی تو پروا نے کال ریسیو ہی نہیں کی۔ وہ بابا سائیں سے ملنے کی خوشی میں مگن سی سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔

پروا محبتوں اور رشتوں کو ترسی ہوئی لڑکی تھی' ماں کی محبت اور شفقت کیا ہوتی ہے' وہ اس احساس سے محروم تھی کیونکہ ذکیہ بیگم اس کی پیدائش کے چار ماہ بعد اس دارِفانی کو خیرباد کہہ چکی تھیں۔ تب اماں بھاگ بھری نے اسے اپنے ممتا بھرے وجود کا سہارا اور حرارت بخشی تھی۔ شروع سے ہی ہوسٹلز میں رہی اور پلی بڑھی تھی۔ ایسے میں بابا سائیں کا وجود بڑا غنیمت تھا۔ وہ ٹوٹ کر ان سے محبت کرتی تھی۔ اماں بھاگ بھری اور بابا سائیں دونوں اس کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

بابا سائیں کا تھوڑی دیر قبل فون آیا تھا' وہ پندرہ منٹ میں سکھر پہنچنے والے تھے' تب سے اس کی نگاہیں گیٹ پہ لگی ہوئی تھیں۔

پندرہ منٹ کے بجائے آدھ گھنٹہ اور پھر دو گھنٹے گزر گئے۔ انہیں نہ آنا تھا' نہ آئے۔ ان کی بجائے ان کا خادم اور دوست راست نواز چلا آیا۔

"بابا سائیں' ایک ضروری کام کی وجہ سے لاہور چلے گئے ہیں۔" اس نے پروا کے مایوس چہرے سے نگاہیں چراتے ہوئے بتایا تو تب اسے اپنے اوپر کوئی اختیار نہ رہا۔ وہ بھاگتی ہوئی مڑی اور اپنے کمرے میں آ کر رونا شروع کر دیا۔

اس کی آواز مہمان خانے تک آ رہی تھی۔ نواز اور اماں بھاگ بھری نے ایک دوسرے سے یوں نگاہیں چرائیں جیسے وہ ہی مجرم ہوں۔ نواز اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ اماں بھاگ بھری باہر چلی گئی۔ تب نواز کا ہاتھ اپنی قمیص کی اوپری جیب کی طرف بڑھا' جہاں سے خوبصورت نئے ماڈل کے قیمتی سیل فون کا اوپری حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے باہر نکال کے نمبر ملانے لگا اور پھر رابطہ ہونے پہ آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

آسمان پہ آوارہ بادل ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ زارا بڑے غصے کے عالم میں لان سے گیٹ تک کے چکر کاٹ رہی تھی۔ اسے پروا پہ بہت غصہ تھا۔

دو دن سے اس نے سیل فون آف کیا ہوا تھا' لینڈ نمبر پہ جواب ملتا۔ وہ سو رہی ہیں یا باہر گئی ہوئی ہیں۔ دل چاہ رہا تھا' کہیں سے پروا آ جائے اور وہ لے کر جائے۔ اپنے خطرناک ارادوں کا اظہار اس نے بہانگ ثناء آپی کے سامنے کیا تھا۔

بچ بچ بہت بور ہو رہی تھی۔ ثانیہ' ارم اور خوشبو غائب تھیں۔ تینوں شہر سے باہر چھٹی منانے گئی ہوئی تھیں۔

ثناء آپی کے امتحانات ہو رہے تھے' مصطفیٰ بھائی جاب میں مصروف تھے۔ مما گھر کے دھندوں میں الجھی تھیں۔ ایک اکیلی اس کی جان تھی۔ شروع کے دو دن اس نے ڈھیر ساری موویز اور رسالوں کے درمیان گزارنے کی کوشش کی پھر بے سدھ سی' ثناء اس کا حال دیکھ کے ہنستی تو کھسیانی سی ہو جاتی۔

"ایک بار آنے دو ان چاروں کو' خاص طور پہ اس پروا کا حشر نشر نہ کیا تو نام نہیں۔" وہ اپنے قاتلانہ عزائم سرے سے ترتیب دے رہی تھی۔ جب گیٹ کے باہر پہچانی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اسے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔ ولید' تیمور اور حوریہ تینوں اسی طرف آ رہے تھے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو زارا!" حوریہ گرم جوشی سے اس کے گلے لگی تو حیرت کی زیادتی سے وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

عین اسی وقت مصطفیٰ بھائی بھی چلے آئے۔ ثناء کمرے سے برآمد ہو کر نئے سوٹ میں ملبوس شاداں و فرحاں تھی اور زارا کا حال دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ مصطفیٰ بھائی گفٹ دے کر اسے ساتھ لگایا تو اسے اپنے آپ پر غرور ہونے لگا۔

سارا پروگرام ثناء کا تھا۔ اس نے بالا ہی بالا سرپرائز دینے کے چکر میں زارا کو ہر بات سے لاعلم رکھا تھا۔ پر زارا کو افسوس سا تھا کہ اس کی ایک بھی دوست جنم دن پہ پاس نہیں ہے۔ زارا نے کیک کاٹ کر سب کو اپنے ہاتھ سے کھلایا۔

حوریہ پلیٹ میں کیک کا چھوٹا سا ٹکڑا اور چاٹ لے کر قدرے سائیڈ پہ ہو کے بیٹھ گئی۔ وہ تو اپنی شرمیلی فطرت کی وجہ سے آتی نہیں رہی تھی۔ امی اور ثناء کی دباؤ کی وجہ سے انکار کی اسے جرأت ہوئی ہی نہیں۔

وہ واپس اٹھنے کی تیاری میں تھے جب سلیمان' نائلہ کے ساتھ آ گیا۔ ان دونوں کو زارا کی سالگرہ کے بارے میں بالکل پتہ نہیں تھا۔ یہ نائلہ تھی جس نے شور مچایا تھا کہ ثناء آپی کی طرف جانا ہے پھر سلیمان کو مصطفیٰ سے ضروری کام بھی تھا' وہ دو دن کے لیے اسلام آباد آیا تھا۔ مصطفیٰ سے ملنا لازمی تھا۔ نائلہ کو بھی ساتھ لے آیا۔

ثناء کا آئیڈیا تھا کہ حوریہ کو بھی بلوائیں گے۔ مصطفیٰ نے بھی تائید کی تھی' پھر اب سلیمان کے ساتھ نائلہ کو دیکھ کر مصطفیٰ کو شرمندگی سی ہوئی کہ انہیں بھی کہہ دیا جاتا تو اچھا تھا۔

دونوں گھرانوں کے دیرینہ تعلقات تھے' ایک ہی پڑوس میں رہنے کے باعث ملنا جلنا بھی تھا پھر سلیمان اور مصطفیٰ اکٹھے پلے بڑھے تھے۔ دونوں نے سی ایس ایس کے بعد اکٹھے پولیس ڈپارٹمنٹ جوائن کیا تھا۔ دوستی اور قربت بھی خوب تھی بلکہ اصغر اور ثمینہ دوستی کے اس رشتے کو مضبوط رشتے میں بدلنے کے خواہاں تھے۔ اگرچہ انہوں نے عملاً اس کا اظہار نہیں کیا تھا مگر دل میں تمنا بے پناہ تھی۔ یہ سلیمان تھا جس کی وجہ سے وہ لب تک دل کی بات زباں تک نہ لائے تھے۔ وہ ہاتھ جو نہیں آتا تھا' وہ ثناء کو بہو بنانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔

میڈیکل کے فورتھ ایئر کی طالبہ ثناء انہیں بے پناہ پسند تھی۔ شروع سے نگاہوں کے سامنے پلی بڑھی تھی۔ عام لڑکیوں کی سی تیز طراری اس میں نہ ہونے کے برابر تھی۔

سلیمان نے تو دو ٹوک کہہ دیا تھا' ابھی اس کے پاس دو ڈھائی سال تک وقت نہیں ہے۔ ثمینہ ماں تھیں' ان کے تو سارے ارمانوں پہ اوس پڑ گئی۔ درپردہ انہوں نے اپنا مشن جاری رکھا ہوا تھا۔ سلیمان کو راضی کرنے کا جو فی الحال پورا ہوتا نظر نہ آتا تھا۔

سلیمان اور مصطفیٰ اپنی باتوں میں مگن تھے۔ چاروں لڑکیوں نے الگ ٹولی بنائی ہوئی تھی۔ ولید تو ضروری کام کا کہہ کر چلا گیا جبکہ تیمور نے وہیں محفل جمالی۔ خواتین کی موجودگی میں اس نے بور ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ ایک سے ایک لطیفے سنا رہا تھا' شگوفے چھوڑ رہا تھا۔

ہنس ہنس کے نائلہ کے پیٹ میں تو بل ہی پڑ گئے۔ حالانکہ حوریہ کئی بار گھور چکی تھی' نگاہوں ہی نگاہوں میں سرزنش کر رہی تھی کہ اجنبی لڑکی ہے۔ پہلی بار اتنی بے تکلفی ٹھیک نہیں۔ پر وہ تیمور ہی کیا جو مان جاتا۔

حوریہ اذان ہونے پہ نماز پڑھنے اٹھی تو وقتی طور پہ یہ گفتگو کا سلسلہ رک گیا۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد واپس آ رہی تھی۔ سامنے مصطفیٰ کو کھڑا دیکھ کر خوامخواہ ہی اس کے قدموں کی رفتار سست ہو گئی۔

"حوریہ! ایک منٹ میری بات تو سنیں۔" مصطفیٰ نے اسے روک لیا۔

اس نے دوپٹہ ماتھے تک لیا ہوا تھا' کان بھی ڈھکے چھپے تھے۔ اسے تو پہلے سے بڑھ کے اچھی لگی۔ کم کم ہی آمنا سامنا ہوتا۔ مصطفیٰ کی لاکھ کوشش کے باوجود بات سلام دعا سے آگے نہ بڑھتی۔ وہ گھر جاتا تو قصداً" ادھر اُدھر ہو جاتی۔ اصل میں شادی سے پہلے حوریہ کو کسی قسم کی بے تکلفی پسند نہیں تھی۔ مصطفیٰ سے آپ جناب کے دائرے میں رہ کر بات کرتی۔

"جی بولیں۔" اس نے ذرا کی ذرا۔۔۔ پلکوں کی چلمن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فوراً" ہی نگاہ چرالی۔ مصطفیٰ بڑے جذب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہیں۔" بڑا سادہ سا لہجہ تھا' یہ کہہ کر وہ

اس کے آگے سے ہٹ گیا۔

نائلہ نے حوریہ کو پہلی بار دیکھا تھا' وہ اسے اچھی لگی تھی۔

"زارا! تمہاری ہونے والی بھابھی کی آنکھیں کتنی بڑی بڑی اور نشیلی ہیں۔" وہ اس کے کان میں منہ گھسیڑ کر بولی تو زارا اترا سی گئی۔

"ہاں بھائی ان آنکھوں پہ ہی تو مرمٹے تھے۔" اس نے انکشاف کیا۔

"واقعی ایسے ہی لگتا ہے' پر معاف کرنا' یہ بڑی سمپل اور بیک ورڈ سی لگتی ہیں جبکہ مصطفیٰ بھائی کتنے اپ ٹوڈیٹ اور اسٹائلش سے ہیں۔" دل کی بات دل میں رکھنا نائلہ نے سیکھا ہی نہ تھا جو دل میں آتا' منہ پہ کہہ دیتی۔ زارا کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔ فوراً ہی وضاحت کرنے لگی۔

"مصطفیٰ بھائی کو حوریہ آپی کی انفرادیت اور سادگی نے ہی تو متوجہ کیا تھا' ورنہ ایک سے ایک الٹرا ماڈرن لڑکی تھی ان کے حلقے میں۔ زرا انہیں دیکھو' کتنی باوقار اور معصوم سی لگتی ہیں۔ چھچھوری لڑکیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تھوڑا سا میک اپ کرلیں تو بہت سی لڑکیوں سے اچھی لگیں مگر یہ خود ہی سادگی پسند ہیں اور ہمیں تو ہر روپ میں اچھی لگتی ہیں۔" زارا بھرپور انداز میں وکالت کررہی تھی۔ نائلہ کو بریک سا لگ گیا' وہ چپ سی ہوگئی۔

حوریہ اور تیمور اجازت لے کر چلے گئے۔ سلیمان اور نائلہ ان کے جانے کے کافی دیر بعد اٹھے۔

☆ ☆ ☆

نیندراں تینیں آندیاں
تیرے بنا نیندراں تینیں آندیاں
ساری رات لواں انگڑائیاں

ولید کو نصیبو لال زیادہ ہی بھانے لگی تھی' جب ہی تو ٹیرس پہ لٹکا با آواز بلند گا رہا تھا۔ تیمور کا ابھی تک نزول نہیں ہوا تھا' ورنہ وہ بھی سر میں سر ملاتا۔

جس سے اس کا سارا مزا کرکرا ہوجاتا۔

آنکھیں الجھ جائیں کسی سے نہ میں ڈرتا ہوں
یارو! حسینوں کی گلی سے میں گزرتا ہوں!

ساجدہ باہر لان میں آچکی تھی' اس کی سوئی کشور کمار پہ اٹک سی گئی۔ فیروزی کپڑے فیروزی جوتی کے ساتھ گہرے رنگ کی لپ اسٹک میں ساجدہ اپنے اوپر نازاں اترائی سی لگ رہی تھی۔ ولید حیران ہوتا تھا کہ سر سے پاؤں تک میچنگ ڈھونڈتی ہے ... کے ساتھ فیروزی کپڑے بھی بارکی میں اپنی ... تھے۔

تیمور کی آواز پہ وہ بے چارہ اچھل ہی تو پڑا اور ... نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے رنگ میں بھنگ ڈال ... کیونکہ اس کے آنے سے تھوڑی دیر قبل اس ... گناہگار آنکھوں سے ساجدہ کو ساتھ والے ... نگاہوں ہی نگاہوں میں اشارے کرتے دیکھا تھا۔

"تم کر کیا رہے تھے؟"

"جھک مار رہا تھا۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہیں اس کے سوا آتا کیا ہے۔"

تیمور' ساجدہ کی بل کھاتی لمبی چوٹی کی جگہ جسے ... کر بڑے اہتمام سے باندھتی تھی' کھلے دراز بال دیکھ ... حیران سا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس کے بال ... خوبصورت تھے۔

"آؤ نیچے چلتے ہیں۔" اس نے ولید کے گلے میں ... ڈال کر گھسیٹا تو خلاف توقع وہ اس کے ساتھ آگیا۔

☆ ☆ ☆

پروا' اللہ داد کے ساتھ نکلنے کی تیاری میں تھی۔ ... بھاگ بھری نے خود اس کے بالوں میں کنگھی کرکے ... بنائی۔ بادام کا حلوہ ڈھیروں خشک میوہ جات ڈلوا کر انہوں ... رات اپنی نگرانی میں نتھو سے تیار کروایا تھا۔

لائٹ پرپل سوٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح بہت ... لگ رہی تھی۔ اماں بھاگ بھری نے اسے خود سے لپٹایا ... آنسو جھر جھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگ گئے تھے۔ ... بھاگ بھری بھی ہمیشہ کی طرح آبدیدہ ہوگئی۔

آہنی گیٹ کھل چکا تھا۔ الوداعی نگاہوں سے حویلی ... درودیوار کو دیکھتی وہ کالے شیشوں والی گاڑی میں آبیٹھی ... اس سے پہلے کہ اللہ داد گاڑی آگے بڑھاتا' سامنے ... آنے والی لینڈ کروزر نے اس کا راستہ روک لیا' وہ پریشان ہوکر نیچے اتر آیا۔

اس کے مقابل نواز کھڑا تھا۔ اس نے اللہ داد کے کان ... میں کچھ کہا تو وہ پریشان سا نظر آنے لگا۔

"بی بی سائیں! آپ اندر چلیں' ہم فی الحال نہیں ...

جا رہے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر سوال جواب کا موقع دیے بغیر نواز کے ساتھ لینڈ کروزر میں بیٹھ گیا۔

اس کی پریشانی حد سے سوا تھی۔

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے یہ سب۔" وہ بڑبڑاتی اندر چلی آئی۔

✡ ✡ ✡

تو ہے میری میں ہوں تیرا (مگر میں نہیں ہوں)
آجا میری بانہوں میں آ (ہائے میں شرم سے مر جاؤں)
دل میں میرے جو رہتا ہے (کون ہے وہ بد قسمت)
کیا تو نے اس کو دیکھا ہے (نہیں بابا ابھی تک یہ حادثہ نہیں ہوا)

"تیمور کے بچے! چپ کر جاؤ میں ریاض کر رہا ہوں۔"

"اچھا میں سمجھا آپ فریاد کر رہے ہیں۔"

"ابھی ٹھہرو تم ذرا۔" ولید کو جلال میں سامنے پڑا بیٹ نظر آیا تو وہ اسی کو اٹھا کر تیمور کے پیچھے بھاگا۔ وہ سیدھا حوریہ کے پیچھے جا کر چھپنے کی کوشش کرنے لگا جو کھانا پکانے میں لگی ہوئی تھی۔

"میں کہتا ہوں سامنے آؤ۔" ولید بڑے جارحانہ موڈ میں تھا۔

"آپ لوگ بچوں کی طرح ہر وقت لڑتے رہتے ہیں' میں ابو کو بتاؤں گی۔" حوریہ ناراض سی لگ رہی تھی۔

"نہ نہ میری سویٹ بہنا! یہ ظلم نہ کرنا۔ آئندہ ہم نہیں لڑیں گے۔"

"وعدہ۔"

"پکا وعدہ۔" وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

"اے بھائی! میں پولٹری فارم کی پلاننگ کر رہا ہوں۔" تیمور نے ولید کو اطلاع دی جو چھلے مٹر کے دانے اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔

"کیا سوچا ہے آخر' پتہ تو چلے۔" وہ اس کی آنکھوں سے جھانکتی شرارت محسوس کر چکا تھا۔

"میرے پاس دو ہزار ہیں۔ دو ہزار میں بیس مرغیاں تو مل ہی جائیں گی۔ روزانہ بیس انڈے دیں گی۔ مہینے کے چھ سو انڈے اور اگر میں یہ انڈے فروخت کروں تو روز کے ایک سو بیس روپے اور سالانہ ــــ اوہ میرے خدا! دولت ہی دولت۔ میں ایسی مرغیاں لوں گا جو بڑے سائز کے انڈے دیں گی۔"

"پر تیمور صاحب! مرغیاں روز تو انڈے نہیں دیتیں۔" ولید نے اسے سہانے خواب سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ اس نے سن کر بھی ان سنی کر دی۔

"میں ایسی مرغیاں لوں گا جو ہر وقت انڈے دیا کریں' یعنی انہیں انڈے دینے کے سوا کوئی کام نہیں ہو گا۔" وہ مزے سے بولا تو حوریہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"اچھا پتہ ہے دانت صاف نہ کرنے کے کیا فائدے ہیں؟" ولید کی طرف سے نیا سوال آیا پر تیمور کو سمجھ میں نہیں آیا اس لیے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میرا مطلب ہے' دانت نہ صاف کرنے کے فائدے بتاؤ۔"

"او اچھا۔ اچھا۔ اچھا۔" تیمور کا اچھا زیادہ ہی لمبا ہو گیا۔

"سب سے پہلے ٹوتھ پیسٹ کی بچت' ٹوتھ برش کی بچت۔"

"سب سے بڑا فائدہ بتاؤ۔"

"مجھے نہیں پتہ۔" اس نے ہار مان لی تو ولید نے احسان کرنے والی نگاہوں سے اسے دیکھا اور سب سے بڑا فائدہ بتایا۔

"سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دانت حساس نہیں ہوتے' مسوڑھوں سے خون نہیں آتا کیونکہ دانت بچتے ہی نہیں ہیں۔ نہ رہے بانس' نہ بجے بانسری۔ نہ روٹی چبانے میں وقت نہ بوٹی چبانے کی زحمت۔ آٹا گوندھ کر روٹی پکانے کے بکھیڑے سے بچاؤ۔ آٹا گھول لو اور گلاس میں پانی ملا کر پی جاؤ جس روز سبزی کھانے کا موڈ ہو' سبزی کو دیسی طریقے سے پیس لو یا جوس بنا کر پی جاؤ۔ ایک اور فائدہ' مصروف رہو گے۔ یعنی بوریت دور کرنے کا تیر بہدف نسخہ۔"

حوریہ چاول دم دینے کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کتنے گندے ہیں آپ۔"

"تمہاری بے وقوف سی بہن!" ولید نے مسکراتی نگاہوں سے ولید کو اشارہ کیا تو وہ سمجھ گئی کہ دونوں اسے تنگ کرنے کے موڈ میں ہیں' تب ہی تو وہ سنک میں پڑے برتنوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

دوپہر کا وقت تھا' حوریہ گھر میں اکیلی تھی۔ ولید اور تیمور صبح سے غائب تھے۔ چھٹی کا دن تھا۔ امی چھوٹی خالہ کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ ابو کچھ دیر پہلے شاہنواز انکل کی طرف جانے کے لیے نکلے تھے۔ حوریہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس کا ارادہ تفصیلی صفائی کا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے فارغ ہو کر نہائی تھی۔ اب اسے ٹھیک ٹھاک قسم کی بھوک لگ رہی تھی۔ صبح ناشتے میں دو سلائس لیے تھے' اب بھوک سے برا حال تھا۔

چاول پکانے کے ارادے سے اس نے پیاز کاٹ کر پتیلی چولہے پر رکھی۔ ساتھ مٹروں کا پیکٹ نکالا۔ اتنے میں ڈور بیل بجنا شروع ہو گئی۔ اس کا خیال تھا' شاید بھائیوں میں سے کوئی ہو گا۔ پر گیٹ کھولنے پہ جو صورت نظر آئی' وہ مصطفیٰ کی تھی۔ وہ گھبرا سی گئی پھر ناچار اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

اس کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر حوریہ نے سب کی غیر موجودگی کی اطلاع بھی دے دی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا' ایک بار پھر بیل گنگنائی' وہ خوش سی ہو گئی۔ یہ یقیناً بھائیوں میں سے کوئی ہو گا۔ اس کا قیاس تھا' پر اب کی بار ساجدہ تھی۔

حوریہ آج تک ان کے گھر نہیں گئی تھی اور نہ ساجدہ کبھی آئی تھی۔ کچھ مہینے قبل ساجدہ جب بیاہ کر آئی تھی تو امی سلامی دینے کے لیے ان کے ہاں گئی تھیں۔ اس کی ساس سے ان کے اچھے تعلقات تھے' اس لیے جب حامد کی شادی ہوئی تو وہ بطورِ خاص بارات کے ساتھ بھی گئی تھیں۔ اپنے گھر میں وہ چلتے پھرتے نظر آ ہی جاتی پھر آج اتنے قریب سے پہلی بار حوریہ نے دیکھا تھا۔ جدید تراش کا یہ سوٹ اس نے پہلی بار پہنا تھا۔

شرٹ کا گلا حسبِ روایت آگے پیچھے سے کافی گہرا تھا۔ فٹنگ قابلِ دید تھی۔ شہر آنے کے بعد ساجدہ نے بڑی تیزی سے شہری رنگ ڈھنگ اور جدید فیشن اپنائے تھے۔ حامد تو اس سے مرعوب اور دبا ہوا نظر آتا۔ تازہ بنی بھنوؤں اور فیشل میں وہ دیکھنے کی چیز لگ رہی تھی۔

ابھی جب وہ ان کے گھر کی بیل بجا رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں فودوسے تیر رہے تھے۔ اس کا خیال تھا آج چھٹی ہے اور وہ اسمارٹ و شریر سا لڑکا گھر پر ہو گا مگر یہ کیا گیٹ کھولنے والی اس کی بہن تھی۔ ساجدہ گڑبڑا سی گئی۔ فوراً سہم نگاہوں کے زاویے درست کیے۔

"آئیں بھابھی! اندر آئیں نا' باہر کیوں کھڑی ہیں۔"

اس وقت ساجدہ کی آمد اسے کسی رحمت کے فرشتے کی آمد لگ رہی تھی۔ وہ سیدھی اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

مصطفیٰ' حوریہ کے ساتھ ایک اجنبی صورت کو دیکھ کر احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتی ہیں۔ ساجدہ حامد نام ہے' آپ دونوں بیٹھ کر بات کریں' میں ابھی آتی ہوں۔" حوریہ بڑی ہلکی پھلکی سی ہو کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات تیار کرنے لگی۔

تھی تو بد اخلاقی کہ اس نے دو مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود کچن میں آ گئی پر یہ اس کی مجبوری تھی۔ ساجدہ نے بڑی گہری نگاہ سے مصطفیٰ کا جائزہ لیا۔ ٹو پیس سوٹ میں ملبوس اپنے جاذب نظر نقوش کے ساتھ پہلی نظر میں ہی وہ اسے اچھا لگا۔ خود مصطفیٰ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ آگ لگاتے حسن کی مالک ساجدہ اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہی ہے۔ اندر ہی اندر وہ مغرور سا ہو گیا۔

ایسا نہیں تھا کہ کوئی خوبصورت لڑکی اس نے پہلی بار دیکھی تھی پر ساجدہ جیسا شعلوں کو ہوا دیتا حسن اس نے کم از کم پہلی بار دیکھا تھا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" خود ساجدہ نے ہی تکلف کی دیوار گرانے میں پہل کی۔

"مجھے مصطفیٰ کہتے ہیں۔"

"اور آپ؟"

"میں ساجدہ ہوں۔" وہ بڑے تفاخر سے بولی۔ اس کے حسن میں خاص قسم کی سرکشی اور بے باکی تھی۔ مصطفیٰ کو نگاہ چرانا مشکل ہو گیا۔ بہت جلد ساجدہ نے اجنبیت کی دیواریں گرا دیں۔ جب حوریہ چائے کی ٹرالی سمیت اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔

ساجدہ کی ہنسی کو تو بریک لگ گیا پھر مصطفیٰ نے باری باری حوریہ اور پھر ساجدہ کو غور سے دیکھا۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ حیران ہوا کہ آج سے پہلے اسے یہ فرق نظر کیوں نہیں آیا۔

چائے پینے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ ساجدہ بھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

"حوریہ! اب تم ہمارے گھر آنا' تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں تو ایسے ہی آ گئی تھی کہ پڑوسیوں سے کبھی کبھار مل لینا چاہیے۔ اب پچھتا رہی ہوں کہ اتنی دیر کیوں

کردی۔" وہ خلوص سے کہہ رہی تھی، بے چاری حوریہ شرمندہ سی ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

حامد آج بہت جلدی سو گیا تھا۔

ساجدہ نے بڑی نفرت سے سوئے ہوئے شوہر کو دیکھا۔ باون سالہ حامد کی عمر جس کے چہرے اور بالوں سے جھانک رہی تھی۔ شکست خوردگی جس کے سراپے سے عیاں تھی۔ جبکہ ساجدہ چڑھتی ندی، پرشور دریا کی مانند تھی۔ اکیس سال کی تھی بمشکل۔ بھرے بھرے رخسار، گلابی آمیزش لیے سرخ ہونٹ، نشیلی آنکھوں سمیت وہ بہت سوں کے ہوش اڑا سکتی تھی۔

اشرف علی کا گھرانا برسوں سے اس کالونی میں آباد تھا۔ ان کا کراکری کا چھوٹا سا کاروبار تھا۔ انہوں نے بڑی محنت کی اور لاکھوں میں کھیلنے لگے۔ جب وہ فوت ہوئے، اس وقت حامد کاروبار کو بڑی کامیابی سے چلا رہا تھا۔

اشرف علی کو بیٹی کی طرف سے بڑی پریشانی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ میں پیدائشی نقص تھا۔ عطیہ بیگم ان کی شریکِ حیات اس غم کو سینے سے لگائے اگلے جہان سدھار گئیں۔ یہی غم ان کے دل کا بھی ناسور بن گیا تھا۔ اسی چکر میں بے چارہ حامد بیالیس سال کا ہونے کو آیا تھا۔ پر ابھی تک اس کے سہرے کے پھول نہیں کھلے تھے۔ کسی کو بھی اس کا خیال نہیں تھا۔ اگر تھا تو صرف سلمٰی کا، اس کی معذوری کا، اس کی گزرتی عمر کا۔

کبھی کسی نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ تمہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے؟ اب تو اس کے دوست بھی مذاق کرنے لگے تھے کہ کب سہرا باندھو گے۔ ان کے لنگوٹیے دوست کا بیٹا چودہ برس کا تھا۔ مراد چھیڑتا۔

"عدنان کے ساتھ ہی گھوڑے پہ بیٹھنا۔"

ماؤں کو بہو لانے کے بڑے ارمان ہوتے ہیں پھر اس کی اماں نے تو کبھی ایسے ارمان کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا۔ ہمیشہ سلمٰی کے بارے میں ہی نصیحت کی۔ کسی کو بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آیا۔

سلمٰی حامد سے پورے بارہ برس چھوٹی تھی تب ہی اتنی لاڈلی تھی کہ اشرف کو بیٹے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ انہوں نے حامد سے زیادہ بیٹی کو محبت دی جس کا احساس سلمٰی کو بھی تھا۔

ساجدہ والدین کے انتقال کے بعد اس ڈھلتی عمر کے بابا کی زندگی میں خوشگوار جھونکے کی مانند آئی تھی۔ ساجدہ کے ساتھ اس کی شادی دور پرے کی ایک رشتہ دار نے کروائی تھی۔

ساجدہ کا نمبر نو بہن بھائیوں میں تیسرا تھا۔ گھر میں غربت کا بسیرا تھا، ایسے میں حامد کا رشتہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ جہیز کے نام پہ اس نے ایک پائی تک نہ لی بلکہ الٹا شادی کے اخراجات کے نام پہ ٹھیک ٹھاک معقول رقم ساجدہ کے بابا کو دی۔

ساجدہ دل سے اس رشتے پہ راضی نہ تھی۔ مارے باندھے اس نے حامد کا ساتھ قبول کیا تھا۔ وہ سرکش ندی تھی اور حامد ڈھلتی چھاؤں تھی۔

بیاہ کے شہر میں بیاہ کے آتے ہی اس نے بڑی تیزی سے خود کو یہاں کے ماحول میں ڈھالا تھا۔ اسے اپنے حسن کی طاقت کا پوری طرح احساس تھا۔ سو نمائش کرنے میں وہ حرج نہیں سمجھتی تھی۔

سوئے ہوئے حامد کی طرف سے اس نے کروٹ لے لی اور قدرے دور کھسک آئی۔ حامد کا منہ دوسری طرف تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے خیالوں میں بڑی دور نکل آئی۔

"مجھے بارش اچھی لگتی ہے مگر صرف تمہارے ساتھ۔ برستی بارش میں ہماری شادی ہو۔ تم میرے پاس ہو، میں تمہیں دیکھتا رہوں۔" ایاز کی آواز اس کے پاس ہی تو گونج رہی تھی۔ ایاز اس کے بچپن کا ساتھی پھر جوانی کا اولین خواب جو پورا نہ ہو سکا اور اس کے لالچی ماں باپ نے اسے اس بوڑھے کے حوالے کر دیا۔

غصے سے اس کے لہو میں آگ سی دہکنے لگی۔ اس نے پاس پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور پینے لگی پھر بھی آگ سرد ہونے کے بجائے اور بھی تیزی سے پھیلنے لگی۔

— حامد سے نفرت میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ نفرت تو آگ سے بھی زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے پھر کسی کا خیال اسے سرشار کر گیا۔

مصطفیٰ کی ستائشی نگاہیں اس کے لیے کسی نشے سے کم نہ تھیں پھر آفاق عالم کی حالت، اسے غرور سا ہونے لگا۔ بھرے لبوں پہ خواب ناک مسکراہٹ رینگنے لگی۔

✡ ✡ ✡

سلیمان نے یونیفارم پہن کر دوبارہ ریوالور کا چیمبر چیک

اندرونی خلفشار سے اس کا خوبصورت چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

نیا۔ محو بابا نشے کا کہہ رہے تھے، اس نے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔

حمید جوکھیو کے ٹھکانے تک پہنچنے میں اس کا ذہن مسلسل سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہا۔ وعدے کے مطابق وہ اکیلا ہی آیا تھا۔ اپنی حفاظت کے خیال سے صرف ایک سروس ریوالور اس کے پاس تھا۔ ایک پولیس آفیسر ہونے کے ناطے اس کا اپنے ماتحتوں سے کہنا تھا کہ بڑے فائدے کے لیے چھوٹے موٹے نقصان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے پھر جرائم پیشہ لوگوں کی فطرت اس پہ آشکار تھی۔ انہیں زبان اور وعدے کا پاس ہوتا ہے، اسی یقین کے سہارے وہ یہاں بے خوفی سے چلا آیا تھا۔

حمید جوکھیو بڑے تپاک سے ملا جیسے وہ گہرے دوست ہوں۔

"اس وردی کے وقار کا تم نے خیال رکھا ہے، اس لیے مجھے پسند بھی ہو۔ ہماری اور قانون کی کبھی نہیں بنی ہے مگر میں تم جیسے آفیسر کی عزت کرتا ہوں۔"

سلیمان پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اب اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حمید جوکھیو خود کو قانون کے حوالے کر کے اپنے جرائم کا اعتراف کرے تو اس کے لیے تمہیں مجھ سے ایک ڈیل کرنی پڑے گی پھر یہ ڈیل صرف ہم دونوں کے درمیان ہو گی، کوئی تیسرا نہیں۔" وہ اپنی بات کہہ کر اس کا ردِعمل اس کے چہرے پہ تلاش کر رہا تھا۔

"کون سی ڈیل؟" سلیمان حیران ہوا۔

"تو ڈیل یہ ہے۔" اس نے سلیمان کے عین سر پر دھماکا کیا اور پھر دھیرے دھیرے بتانے لگا۔

"میں سوچوں گا۔" اس جیسے مضبوط اعصاب کا مالک بھی لمحہ بھر کو لرز گیا۔ حمید جوکھیو نے بات ہی ایسی کی تھی۔

"سوچنے پہ پابندی نہیں، یاد رکھنا تمہاری پوری فورس بھی مل کر میرے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ اور میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" نواز اس دوران بڑی خاموشی سے دونوں کے چہروں کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتا رہا۔ وہ بڑے چوکنا انداز میں مستعد کھڑا تھا۔

اتنے میں لو عمر ملازم کھانے سے لدی پھندی ٹرالی لے آیا پھر سلیمان نے لاکھ اصرار کے باوجود کسی چیز کو نہیں چکھا سوائے چائے کے۔ حمید جوکھیو اس کے ساتھ گاڑی تک آیا۔

"میری بات دھیان میں رکھنا۔" وہ سلیمان سے نرمی سے بولا جو ہرگز اس کا انداز نہ تھا۔

اسے قسمت کی ستم ظریفی پہ ہنسی آئی۔ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ جس کے ایک اشارے پہ بے گناہ لوگوں کو خون میں نہلا دیا جاتا تھا، وہ اس سے درخواست کر رہا تھا جو لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا تو ان کی روحیں فنا ہو جاتیں۔ آج اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

تو کیا وہ اس کی بات مان لے یا پھر اپنی طاقت پہ بھروسہ کرے۔ یہ بھی تو حقیقت تھی کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اب تک اس کا کچھ نہ بگاڑ پائے تھے۔ اس کا ہر جرم قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ ہاتھ آئی چکنی مچھلی کی طرح پھسل پھسل جاتا۔ کئی بار حمید جوکھیو سے سامنا ہوتا، وہ کسی فاتح کی شان سے سر اٹھائے گزر جاتا۔ یہ بات طے شدہ تھی، اگر وہ بذاتِ خود کو قانون کے حوالے نہ کرتا تو اس کی گرد کو بھی پانا مشکل تھا۔ سلیمان کو بطورِ خاص اس کیس کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

چار ماہ سے وہ اس معاملے میں ہر ممکن حربہ آزما چکا تھا۔ اس کے خاص بندوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ سب کوششیں رائیگاں گئیں۔ اسے اب صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اس مشن میں ناکام ہو گا۔ سکھر میں اس کا یہ آخری کیس تھا کیونکہ پوسٹنگ آرڈرز آ چکے تھے۔ وقت نکال کے وہ اسلام آباد بھی گیا، مصطفیٰ سے ذکر کیا کہ شاید مشکل کا کوئی حل نکل آئے پر سب بے سود، ہر تدبیر ناکام۔

رات کو اس نے مصطفیٰ کو فون کیا، وہ خود آج کل ایک بڑے کیس پہ کام کر رہا تھا۔ اسی میں پھنسا ہوا تھا۔ سلیمان کافی دیر حمید جوکھیو کی کیس فائل کو از سرِ نو دیکھتا رہا۔ ایک ایک پوائنٹ کو نوٹ کیا مگر کوئی قابلِ ذکر بات سامنے نہیں آئی۔

"حمید جوکھیو ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ کاش تم مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتے تو کبھی بھی یہ بات نہ کہتے۔ خیر تمہاری مرضی۔" سلیمان کے لبوں پہ پراسرار سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

وہ جب سونے کے لیے بیڈ پہ لیٹا تو فیصلہ کر چکا تھا۔ بے رحم فیصلہ کیونکہ حمید جوکھیو اور اس سے وابستہ کسی بھی شخص کے لیے اس کے دل میں کوئی بھی نرم گوشہ نہیں تھا۔

جو لوگ دوسروں کے جگر کے ٹکڑوں کو اہمیت نہیں دیتے‘ ان کے دل میں اپنی اولاد کے لیے محبت کیوں آجاتی ہے اور کیونکر آجاتی ہے؟ اولاد تو والدین کے لیے بڑا امتحان ہوتی ہے اور حمید جوکھیو کی یہی اولاد اسے امتحان میں ڈالنے والی تھی۔

سلیمان گیلانی کی گرفت میں آئے بڑے بڑے بے رحم گھبرا جاتے تھے اور حمید جوکھیو جیسا زمانہ ساز اس پہ یہ فیصلہ۔ کبھی کبھی اچھوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور حمید جوکھیو نے اپنی زندگی میں ہی ایک بڑی غلطی کرلی تھی۔

☆ ☆ ☆

”نواز! کہیں بھی کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔“ حمید جوکھیو تمام انتظامات مکمل ہونے کے بعد ابھی تک مطمئن نہیں تھا‘ اس لیے تھوڑی تھوڑی دیر بعد نواز کے پاس آکر جائزہ لینے لگ جاتا۔

جونہی سلیمان کی گاڑی دھول اڑاتی حویلی کے داخلی گیٹ کی طرف بڑھی‘ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ مقامی رواج کے مطابق یہ بھی خوشی منانے کا انداز تھا۔ سلیمان نیچے اترا تو حمید جوکھیو خود اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس کی ہم راہی میں وہ اندر آیا‘ جہاں شاندار مہمان خانے میں کچھ اجنبی صورتیں بھی موجود تھیں۔

وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا‘ اس کے ساتھ دائیں سائیڈ پہ حمید جوکھیو تھا جو بہت خوش لگ رہا تھا۔

سلیمان نے اپنی اندرونی حالت پہ قابو پایا‘ جہاں تلاطم سا برپا تھا۔

ابھی کچھ ہی دیر میں وہ حمید جوکھیو جیسے خونی دہشت گرد کا داماد بننے والا تھا۔ ان کے درمیان یہی طے پایا تھا۔ اگر سلیمان اس کی بیٹی سے شادی کرکے تحفظ دے دیتا ہے تو وہ بخوشی خود کو قانون کے حوالے کردے گا۔ اپنے تمام جرائم کا اعتراف کرے گا۔ بس اسے اپنی بیٹی کا تحفظ درکار تھا۔

حمید جوکھیو کا اس دنیا میں پروا کے سوا نہیں تھا‘ سب مرکھپ گئے تھے۔ جرائم کی راہ پرخار میں قدم رکھنے کے بعد اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے بعد پروا پریشان ہوجائے گی۔ وہ شاید یہ فیصلہ نہ کرتا‘ اگر اس پہ یہ ہولناک انکشاف نہ ہوتا۔ ڈاکٹرز کی رپورٹس بھی ایک بات کہہ رہی تھی اسے تھروٹ کینسر ہے۔

حمید جوکھیو کے پاس وقت کم تھا۔ اب تو اس کی حالت بھی اس کی بیماری کا اعلان کرنے لگی تھی۔ اس کے پاس صرف تین چار ماہ تھے۔

واپس آکر اس نے سلیمان کو آفر کی‘ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ حمید جوکھیو نے اس کے خاندان کے بارے میں تحقیق کی۔ اسے وہ ہر لحاظ سے پروا کے قابل نظر آیا۔ اسے پتہ تھا اس کے مخالفوں کو اس کی بیماری کے بارے میں پتہ چل جائے تو وہ خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور اس کے سارے حمایتوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیں گے۔

پروا اس کی واحد اولاد ہونے کے ناطے اس کے مخالفوں کے عتاب کا نشانہ بھی بنتی۔ اس کے بعد جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔ اسی بات نے اسے سلیمان کے سامنے جھکنے پہ مجبور کیا۔ اس کی بے خوفی‘ سچائی اور خاندانی شرافت حمید جوکھیو کو بھائی تھی۔ یہ ڈیل کرکے اس نے جوا کھیلا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سلیمان گیلانی دھوکا نہیں کرے گا‘ نہ اپنے قول سے پھرے گا۔

پروا اس کے پاس محفوظ رہے گی۔

پروا نے ساری زندگی ہوسٹلز میں گزاری تھی‘ اس کی رضامندی کے بعد ہی وہ حویلی آتی اور کڑے پہرے میں لوٹ جاتی۔ اس کے نزدیک اس کے بابا سائیں معروف ترین کاروباری شخصیت تھے۔

سلیمان گیلانی‘ حمید جوکھیو کے کیس پہ کام کر رہا تھا۔ اسے سلیمان کے بارے میں سب پتہ تھا۔ اس کے گھر والے اسلام آباد میں مقیم تھے۔ وہ سلجھے ہوئے مزاج کا مخلص اور فرض شناس نوجوان تھا۔ اتفاقاً ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا‘ تب ہی نہ جانے کیوں حمید جوکھیو کے دل نے آرزو کی کہ یہ اس کی پروا کا مقدر بن جائے۔

تب وہ خود اس سے ملا۔ بے خوفی اور دلیری سلیمان کے مزاج کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ اسے بالکل بھی مرعوب نہیں ہوا پھر حمید جوکھیو کے ذہن نے نئی کروٹ لی۔ اس نے نواز سے مشورہ کیا پھر اس کے بعد سلیمان سے بات کی۔ اس نے سوچنے کی مہلت مانگی پھر کچھ شرائط کے بعد راضی ہوگیا۔ اب اسی کے نتیجے میں وہ حویلی میں بیٹھا سخت اندرونی خلفشار کا شکار لگ رہا تھا۔

گھر میں کسی کو کچھ پتہ نہ تھا اور وہ یہاں حمید جوکھیو کی بیٹی سے نکاح کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے صاف لفظوں میں واضح کردیا تھا کہ فی الحال کسی کے علم میں لائے بغیر وہ نکاح کر رہا ہے‘ وہ آہستہ آہستہ گھر والوں کو ہموار کرے گا۔ اس کے بعد اپنی سہولت اور آسانی کے مطابق اپنی منکوحہ کو رخصت کروا کر لے جائے گا۔

ہوسکتا ہے کہ اس کے گھر والے مخالفت کریں۔ وہ اعتراض کرسکتے تھے۔ ایک مجرم کی بیٹی کو بطور بہو قبول کرنے سے انکار کرسکتے تھے‘ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ حمید جوکھیو سن کر چپ رہا تھا۔ فی الوقت اس کے سامنے یہی مقصد تھا کہ کسی طرح جلد از جلد پروا سلیمان گیلانی کی بیوی بن جائے۔ اس کے بعد وہ سکون سے مرسکے گا۔

سلیمان کے تحفظ میں ہوگی‘ وہ اپنی عزت کی حفاظت تو ضرور کرے گا۔ پروا محفوظ ہاتھوں میں ہوگی‘ اس لیے سب کچھ جلدی جلدی طے پایا۔

حمید جوکھیو کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ ان دنوں وہ بے پناہ تکلیف سے گزر رہا تھا مگر آج وہ ساری تکلیفوں کو بھولا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

”اماں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“ حیرت کی زیادتی سے وہ انہیں تکنے لگ گئی تھی۔

”بیٹا! تم یہ کپڑے پہن لو‘ وقت کم ہے۔ تمہاری تیاری کا انتظار ہے۔ بس مالک تمہیں دلہن بنا دیکھنا چاہتے ہیں۔“ اماں بھاگ بھری رسان سے اس کے ہاتھ تھام کر پچکارتے ہوئے بولی تو اس نے دوسرا سوال نہیں کیا اور کپڑے ان کے ہاتھ سے لے لیے۔

اتنے میں بابا سائیں بھی آگئے۔ پروا کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے لبریز ہوگئے۔ حمید جوکھیو نے اس کا سر سینے سے لگالیا۔

”تمہاری ماں زندہ ہوتی تو ساری حسرتیں پوری کرتی‘ تمام ارمان نکالتی۔ خیر رخصتی پہ ساری کسر نکل جائے گی۔ حمید جوکھیو کی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے ہوگی۔ سارا گاؤں دیکھے گا۔“ وہ خود کو یقین دلا رہا تھا۔

”مالک تمہیں بہت سی خوشیاں دے گا۔“ وہ ان کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

ٹھیک تو وہ اسی روز گئی تھی جب نواز اچانک حویلی آیا اور بابا سائیں کی آمد کا بتایا تھا۔ ماحول کچھ روز سے ویسے بھی پراسرار سا تھا۔ اب صبح یہ عقدہ کھلا جب اماں بھاگ بھری نے یہ اطلاع دی کہ اس کا نکاح ہو رہا ہے۔

زندگی کے اس موڑ کے بارے میں اس نے سوچا تک نہ تھا کہ اتنی جلدی آئے گا۔ ایک اجنبی کو اس کے تمام تر اختیارات سونپے جا رہے تھے جس کی شکل اور نام تک سے وہ ناواقف تھی۔

بے دلی سے اس نے بیش قیمت عروسی سوٹ زیب تن کیا۔ سکھاں‘ اماں بھاگ بھری کے ساتھ اس کے خاندانی زیورات کا نفیس باکس کھولے بیٹھی تھی۔ ایک ایک کرکے تمام زیورات اسے پہنائے گئے۔ شہر سے بطور خاص لائی گئی بیوٹیشن اسے مہندی لگا چکی تھی۔ وہ مہندی سوکھنے کے انتظار میں بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

سکھاں نامحسوس انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھی‘ نہ جانے کیوں اسے وڈیری پہ ترس آرہا تھا۔ زینو نے ڈیک لگایا ہوا تھا جو اونچے سروں میں خوشی کے نغمے بجا رہا تھا۔ پروا کے دل میں خوف اور اندیشے تھے۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا‘ جہاں ناامیدی کالے ناگ کی طرح پھن کاڑھے بیٹھی تھی۔ سکھاں‘ زینو سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔

”میں بی بی سائیں کے شوہر کو دیکھ کر آئی ہوں‘ بڑا گھبرو جوان ہے۔ کافی مغرور لگ رہا ہے پھر ہماری بی بی بھی کم نہیں ہے۔“ زینو اس کے جواب میں بولی تو سکھاں نے بھی تائید کی۔

☆ ☆ ☆

”مبارک ہو مبارک ہو۔“ جوں ہی سلیمان نے سائن کیے مبارک باد کی آوازیں آنے لگیں۔ حمید جوکھیو نے اٹھ کر اسے سینے سے لگالیا۔

”میری بیٹی بہت معصوم ہے‘ اسے کوئی دکھ نہ دینا۔“ (حمید! تم کتنے گھروں کے چراغ گل کرکے یہ بات کہہ رہے ہو۔ میری بیٹی کو دکھ نہ دینا۔ دوسروں کو بیکراں دکھوں کے سمندر کے سپرد کرکے یہ بات تمہاری زبان سے بہت مسخرانہ لگتی ہے) وہ صرف سوچ سکا۔

کمرے میں جو لوگ بیٹھے تھے‘ ایک ایک کرکے اٹھ گئے۔ تب اماں بھاگ بھری‘ سلیمان کے پاس آئیں۔

”آپ اپنی دلہن سے مل لیں اور دیکھ لیں۔“ اس وقت یہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ حمید جوکھیو پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ سلیمان نے اماں بھاگ بھری کا بے تاثر چہرہ دیکھا اور پھر اس کے ساتھ ہولیا۔

رواج کے مطابق پروا کا چہرہ گھونگھٹ کی آڑ میں تھا۔ اماں بھاگ بھری اسے یہاں چھوڑ کر الٹے قدموں لوٹ گئی۔ سلیمان نے ایک اچٹتی سی نظر حمید جوکھیو کی بیٹی پہ ڈالی۔ نکاح نامے میں حمید جوکھیو کی خواہش پہ معمولی سا حق مہر مقرر لکھوایا گیا تھا۔ سلیمان کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا۔

ہزار کے نوٹوں کی گڈی اس نے پروا کے قریب کچھ کہے بغیر رکھ دی۔ اسے اپنی منکوحہ کا چہرہ دیکھنے کی نہ خواہش تھی، نہ آرزو اور نہ ہی وہ کوئی دلی تعلق اس سے بنانا چاہتا تھا۔ سو اس نے اس رشتے کو بھی ڈیل کے طور پر قبول کیا تھا جس خاموشی سے وہ آیا تھا، اسی خاموشی سے لوٹ گیا۔

پروا نے بھی سلیمان کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو گھٹنوں میں منہ دیے اس وقت سے مسلسل رو رہی تھی۔ سلیمان کے قدموں کی آہٹ اسے صاف محسوس ہوئی تھی۔

اماں بھاگ بھری نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ آ رہا ہے۔ جاتے قدموں کی آہٹ اس کی سماعتوں سے دور ہوئی تو اس نے سر اٹھایا۔

نوٹوں کی گڈی سامنے پڑے دیکھ کر جانے کیوں اسے تاسف سا ہوا۔ یہ اس کا نکاح نامے میں لکھوایا حق مہر تھا۔ اس کے ہم سفر نے ادا کرنے میں بڑی جلدی کی تھی۔

"دیکھا مالک نے کتنا سوہنا گھبرو دولہا ڈھونڈا ہے میری بچی کے لیے۔" اماں بھاگ بھری نے اپنے تئیں اس کے ساتھ شرارت کی تھی پھر پروا کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔

وہ کچھ سوچ رہی تھی، اس کی سوچوں کی تہہ تک اترنا کم از کم اماں بھاگ بھری کے بس کی بات نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

"یار معاف کر دو نا اب۔" پروا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے پر زارا کا موڈ ٹھیک نہ ہوا۔ پروا کل واپس آئی تھی اور آتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے زارا کو فون کیا۔ آج وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"یہ مہندی کب لگائی تم نے۔" زارا ناراضی اور غصہ بھول بھال کر اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو مشکوک نگاہوں سے گھورنے لگ گئی تو فوری طور پر پروا سے کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔

"کہیں تمہاری منگنی تو نہیں ہو گئی ہے۔"

"ارے نہیں، نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے زور و شور سے تردید کی۔

زارا کے اچانک سوال سے گھبرا تو وہ بھی گئی تھی بھلا ہم سفر کے بارے میں وہ کیا بتاتی۔ کون ہے کیسا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ نہ تو بابا سائیں اور بھاگ بھری نے اسے بتایا نہ خود سے اس نے پوچھنے کی ضرورت سمجھی تھی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ اسے کچھ معلوم کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔

عین نکاح سے دو گھنٹے پہلے اسے بتایا گیا تھا کہ آج اس کی شادی ہے پھر اس کا شوہر اس کے پاس آیا اور اس کو دیکھے بنا واپس چلا گیا۔ حق مہر کی رقم واپس رکھ کر۔ کیا عجب طرز تھی۔ پروا نے اسے دیکھا تک نہ تھا۔

چوروں کی طرح اس کا نکاح ہوا، نہ کوئی دھوم دھام نہ کوئی شور شرابا۔ عجیب گورکھ دھندا تھا۔

اب زارا کے سوال اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔ "وہ تو گاؤں میں ایک شادی تھی، اس لیے ویسے ہی مہندی لگائی میں نے۔" اس کو جواب سوجھ ہی گیا۔

"واہ بہت زبردست ڈیزائن ہے۔ مجھے ذرا فائل پہ اتارنے دو۔ مصطفیٰ بھائی کی شادی پہ کام آئے گا۔"

"کب ہے مصطفیٰ بھائی کی شادی؟"

"حوریہ بھابھی کے اگلے مہینے ایگزام ہیں، اس کے بعد ہی ہوگی۔ ارے ہاں، یاد آیا۔ ہماری بھی ڈیٹ شیٹ آج کل میں آنے والی ہے۔"

"واقعی۔"

"ہاں، سب کہہ رہے ہیں۔" وقتی طور پر گفتگو کا رخ بدل گیا تو پروا بھی سب کچھ بھول بھال کر امتحانات کی پریشانی میں کھو گئی۔

☆ ☆ ☆

وعدے کے مطابق حمید جوکھیو نے بیٹی کے نکاح کے ٹھیک سولہویں دن خود کو قانون کے سپرد کر دیا۔ یہ سولہ دن اس نے بہت ضروری کام نمٹانے میں گزارے تھے۔ تمام رقم اور اثاثے پروا کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرائے، اس کے لیے اسلام آباد میں گھر خریدا۔ نواز کے ذریعے انٹیریئر ڈیکوریٹر سے ڈیکوریٹ کرایا۔ اس کام کے لیے اس نے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔

اپنی وصیت لکھی۔ پروا کے نام خط لکھ کر اپنے تمام جرائم کے بارے میں بتایا۔ سلیمان سے ڈیل کا ذکر کیا۔ اس

تمام کاغذات کو اس نے لاکر میں رکھوایا اور چابی نواز کو دے دی۔ ان کاغذات میں پروا کا نکاح نامہ بھی تھا۔ "میری موت کے بعد سب پروا کو دے دینا۔" اس نے نواز کو ہدایت کی۔

اس نے بڑے سکون سے اپنے ایک ایک جرم کا اعتراف کیا۔ اسے اب کوئی خوف نہ تھا کیونکہ ڈاکٹرز کے کہنے کے مطابق اس کی زندگی بہت تھوڑی تھی۔ حمید جوکھیو کو کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا۔

سلیمان نے اس کی گرفتاری کے بعد پولیس کانفرنس بلائی۔ اس کی پروموشن ہو چکی تھی۔ سکھر میں یہ اس کا آخری دن تھا۔ اپنے یہاں قیام کے دوران اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی جو اس کے نصیب میں لکھی تھی۔ حمید جوکھیو کی گرفتاری آسان تو نہ تھی۔

اب اسے اسلام آباد جا کر اختیارات سنبھالنے تھے۔ اپنی اس کامیابی سے وہ بہت خوش تھا۔ نائلہ تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئی۔

"بھائی جان! اب تو بہت ہی زبردست سی ٹریٹ دینی پڑے گی۔ آخر کو ایس پی بن گئے ہیں۔"

"اچھا لالچی لڑکی! دے دوں گا ٹریٹ۔" اس نے جان چھڑائی۔ ثمینہ نے اپنے کڑیل جوان بیٹے کو بڑے پیار سے دیکھا اور نظر بد سے بچنے کی دعا کی۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆
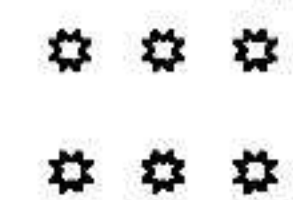
حمید جوکھیو کو پولیس کسٹڈی میں ایک ماہ سے زائد ہو چکا تھا۔ اخبارات میں اس خبر کو آنے سے روک دیا گیا تھا اور پوری رازداری برتی جا رہی تھی۔ اس کے گلے کی تکلیف دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔

نواز نے پروا کو حمید جوکھیو کے کہنے کے مطابق ہی بتایا تھا کہ وہ کاروباری مصروفیت کی وجہ سے لندن میں طویل عرصے تک قیام کرے گا۔ اس ایک مہینے کے دوران پروا کی بابا سائیں سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں نواز کے ذریعے ان کی خیریت کی اطلاع ملتی رہتی۔

پروا کے ایگزام ختم ہو چکے تھے، اس کے ساتھ ہی اس کے ہوسٹل میں رہنے کا جواز بھی۔ اس بار نواز اسے خود لینے آیا۔ گاڑی جانے پہچانے سکھر کے راستوں کے بجائے اسلام آباد کی سڑکوں پہ گھومتی رہی اور بالآخر خوبصورت سے مکان کے کالے گیٹ کے آگے رک گئی۔

"نواز کیا ہے یہ سب؟" وہ یہ معمہ جلد از جلد حل کرنا چاہتی تھی۔

"بی بی سائیں! یہیں کھڑے کھڑے سب پوچھیں گی۔" اس نے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا تو پروا شرمندہ سی اس کی ہمراہی میں اندر آ گئی۔ جہاں بجری کی روش کے دائیں بائیں بڑے خوبصورت پودے ایک قطار میں لگے تھے۔

اماں بھاگ بھری کی شفقت بھری باہوں نے اس کا استقبال کیا۔ حیرت کے اس جھٹکے سے وہ بمشکل سنبھلی۔

"بی بی سائیں! یہ گھر آپ کے نام پہ وڈیرا سائیں نے خریدا ہے تاکہ آنے جانے کی زحمت سے بچیں۔ رزلٹ کے بعد آپ نے یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہی ہے، اس لیے انہوں نے آپ کو یہ سرپرائز دیا ہے۔" نواز نے مختصراً بتایا۔

"کتنا خوبصورت گھر ہے یہ۔ زارا، خوشبو، ارم اور ثانیہ کتنا خوش ہوں گی۔" پروا بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔ اماں بھاگ بھری نے سکون کا سانس لیا کہ یہ مشکل مرحلہ بخیر سر ہوا۔

پروا نے دوسرے دن زارا اور باقی دوستوں کو یہ خبر سنائی تو سب نے اس سے ٹریٹ مانگی۔

بدھ کی شام سب اس کے یہاں جمع تھیں۔

"پروا! تمہارا گھر کتنا خوبصورت ہے۔ انٹیریئر ڈیکوریشن تو غضب کی ہے۔" ثانیہ نے تعریف کی تو وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔

"یہ سب میرے بابا کی چوائس ہے۔" اس نے فخر سے بتایا۔

"یار! تمہارے بابا سائیں سے مجھے ملنے کا بہت شوق ہے۔ کبھی ملواؤ نا۔" زارا نے اشتیاق دکھایا تو وہ یکدم ہی اداس نظر آنے لگی۔

"وہ زیادہ تر کاروباری دورے پہ باہر ہی رہتے ہیں۔ اب بھی انگلینڈ میں ہیں۔ جب یہاں آئے تو ضرور ملواؤں گی۔"

"پروا! اتنے بڑے گھر میں تم اکیلی رہتی ہو۔" ارم نے احمقانہ سا سوال کیا۔

"میرے بابا سائیں کا کوئی بہن بھائی تھا ہی نہیں۔ اماں کے ایک بھائی تھے، وہ بھی حیات نہیں ہیں اور میں بھی ان کی اکلوتی، سدا سے اکیلی اور تنہا۔" اس کی آواز بھیگ گئی تو زارا نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"کیوں تم اکیلی ہو، ہم ہیں نا۔ میری مما تمہیں بیٹیوں کی طرح نہیں چاہتیں، مصطفیٰ بھائی تمہیں مجھ سے کم سمجھتے ہیں۔ شاہ آپی کا رویہ تمہارے ساتھ بڑی بہن والا نہیں ہے۔" زارا کی ڈانٹ پہ وہ مسکرا دی تو ماحول کا بوجھل پن دور ہو گیا۔

"اب کل تم سب کو آنا ہے، سارا دن اکٹھے گزاریں گے بلکہ مجھے شاپنگ بھی کرنی ہے۔ مل کے جائیں گے تو مزا آئے گا۔ کیوں ثانیہ، ارم!" اس نے باقیوں سے بھی تائید چاہی تو ان تینوں نے معذرت کر لی۔

پر زارا ہی کیا جو آسانی سے مان جاتی۔ راضی کر کے ہی دم لیا۔

دوسرے روز دس بجے کے قریب زارا، ثانیہ کے ساتھ آ دھمکی۔ وہ ایک کتاب میں کھوئی ہوئی تھی۔

مجھ سا جہان میں کوئی نادان بھی نہ ہو
کرکے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو
خوابوں سے دلنواز حقیقت نہیں کوئی
یہ نہ ہو تو درد کا درماں بھی نہ ہو
محرومیوں کا آج تک ہم نے گلہ نہیں کیا
لیکن یہ کیا کہ دل میں ارماں بھی نہ ہو

"کیا پڑھا جا رہا ہے۔" ثانیہ نے اس کے ہاتھ سے سعد اللہ شاہ کا مجموعہ کلام "مجھے بادل اٹھا لائے" تقریباً جھپٹا۔

"تم لوگ کب آئے۔" وہ بیڈ سے اتر آئی۔

"ہم بھی ابھی جب آپ شعر و شاعری میں کھوئی ہوئی تھیں۔ ویسے کوئی اور چکر تو نہیں ہے۔ جب سے گاؤں سے آئی ہو، بدل گئی ہو۔ اداس اداس رہنا، المیہ شاعری پڑھنا۔

رونا یہی تو ہے اسے چاہتے ہیں ہم
اے سعد جس کے ملنے کا امکان بھی نہ ہو"

ثانیہ نے اسی جگہ سے کتاب کھولی، جہاں سے پروا پڑھ رہی تھی۔ اس نے بڑے اسٹائل سے شعر پڑھ کر شرارتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ پہلی سی ہو گئی۔

"تم بہت فضول ہو۔" خفت چھپانے کے لیے اس نے رخ موڑ لیا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"یار! صدر چلتے ہیں، سنا ہے "اسٹائلو" پہ بڑے خوبصورت جوتے آئے ہیں۔" ثانیہ کا آئیڈیا تھا۔

"ٹھیک ہے، تمہارا کیا ارادہ ہے پروا!" زارا نے تائید کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ غائب دماغی سے سر ہلا کر رہ گئی۔

گاڑی زارا ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ حالانکہ پپا اور مصطفیٰ بھائی کی طرف سے سخت پابندی تھی۔ پر پروا کے پورچ میں کھڑی کریم کلر کی بیلینو دیکھ کر اس کا دل مچل گیا۔

پروا نے چابی مانگنے پہ کوئی سوال جواب نہیں کیا۔ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ وہ خوشی خوشی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی۔ راول روڈ تک تو چھوٹی موٹی بے قاعدگیوں کے ساتھ اس نے ڈرائیونگ کر ہی لی پھر اسے آگے جانے کیا ہوا کہ اسٹیئرنگ اس کے قابو میں ہی نہیں رہا۔

گاڑی بدمست ہاتھی کی طرح جھومتی آگے جانے والی ٹیکسی سے ٹکرائی پھر دائیں سائیڈ پہ ایک مارگلہ کو ٹکر ماری۔ زارا نے چیخیں مارتے ہوئے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ یہی حال ان باقیوں کا تھا۔ اس وقت انہیں ہوش آیا جب ایک پولیس اہلکار نے دروازہ کھول کر انہیں باہر آنے کی ہدایت کی۔

اچھا خاصا مجمع لگ گیا تھا۔ ٹیکسی کو اچھا خاصا نقصان پہنچا تھا۔ پر صد شکر کہ ڈرائیور اور سواری محفوظ تھے۔ مارگلہ کو معمولی سا نقصان ہوا تھا مگر دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور غصے اور کینہ توز نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"بگڑے گھروں کی لڑکیاں ہیں، یہ پیسے والے تو کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ غریب لوگ تو ان کے نزدیک مکھی کی طرح ہیں۔ قانون صرف غریبوں کے لیے ہیں۔ جب ڈرائیونگ کرنی نہیں آتی تو کیا ضرورت ہے لوگوں کی زندگیوں کے ساتھ کھیلنے کی۔" جتنے لوگ کھڑے تھے، طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔

زارا ڈرتے ڈرتے نیچے اتری۔ عین اسی وقت سلیمان وہاں سے گزرا تو رش دیکھ کر رک گیا۔ گاڑی ۔۔۔ کی حالت خود بتا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ گاڑی سائیڈ پہ روک کر وہ صورت حال جاننے کے لیے آگے بڑھا تو زارا کو روتے پایا۔ قدرے حیران ہوا۔

ٹریفک سارجنٹ اسے پہچانتا تھا، مختصراً" اس سارے واقعہ کا خلاصہ بتایا۔ سلیمان نے ٹیکسی والے کا نقصان بھرا۔ مارگلہ والے کو فارغ کیا اور پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ زارا اسے سامنے پا کر مطمئن ہو چکی تھی۔ اس نے سخت نگاہوں سے چاروں لڑکیوں کو دیکھا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے۔" اس نے زارا سے سوال کیا۔
جواب ثانیہ کی طرف سے آیا۔
"اس کی۔" اس نے ہاتھ سے پروا کی طرف اشارہ کیا۔
"ڈرائیونگ لائسنس ہے آپ کے پاس۔" وہ براہ راست پروا سے مخاطب ہوا تو اس کی روح فنا ہو گئی۔
"یہ... یہ زارا چلا رہی تھی میں نہیں۔" اس نے اپنی جان چھڑائی۔
"اگر ٹیکسی کے ساتھ کسی انسانی جان کو نقصان پہنچتا تو میں آپ لوگوں کو کبھی معاف نہ کرتا مگر آئندہ اس طرح کی لاپرواہی میں برداشت نہیں کروں گا۔ شام کو مصطفیٰ کی طرف آؤں گا۔"
"نہیں' نہیں سلیمان بھائی! ایسا مت کیجیے گا۔ وہ تو مجھے بہت ڈانٹیں گے۔ آئی سویئر' آئندہ ایسے نہیں کروں گی۔"
وہ منتوں پہ اتر آئی تو سلیمان کچھ ڈھیلا پڑا۔
"آپ گاڑی میں بیٹھیں میں فون کرتا ہوں تاکہ یہ گاڑی گیراج بھجوائی جا سکے۔" اس نے چاروں کو اپنی گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ چار و ناچار وہ آبیٹھیں۔
زارا اب بھی ڈر رہی تھی۔ اس نے ثانیہ کے گھر کا ایڈریس بتایا اور ارم پروا کے ساتھ وہیں اتر گئی۔
وہ واپس چلا گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ پروا کی گاڑی کا ٹھیک ٹھاک نقصان ہوا تھا۔ زارا اس پہ بھی شرمندہ تھی۔ مگر پروا نے نرمی سے اسے ٹوک دیا۔
"تم میری دوست ہو' یہ چھوٹے موٹے نقصان خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ آئندہ ایسی بات کر کے میری توہین نہ کرنا۔" زارا اس کے گلے لگ گئی تو پروا کی ساری خفگی ہوا ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

زمان علی اچھے خاصے عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے حوریہ سے دودھ گرم کرنے کو کہا۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت حکم کی تعمیل میں باورچی خانے کی طرف بڑھی۔ دودھ لا کر ٹیبل پہ رکھا۔ زمان پہ صوفے کی بیک سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے' نیم دراز پڑے تھے۔ اس نے آواز دی۔
"ابو ابو! دودھ گرم کر دیا ہے میں نے۔" اس نے پاس جا کر بلایا۔
جواب نہ پا کر عجیب سا احساس ہونے پہ اس نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"ابو... ابو...." اب کہ وہ اونچی آواز میں بولی تو وہ بیک سے پیچھے ڈھلک گیا۔ حوریہ کے لبوں سے نکلنے والی چیخ بے ساختہ تھی جس نے سارے گھر کو ہلا دیا۔
ولید اور تیمور اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے حواس باختہ صفورا بیگم تھیں۔ ولید ابھی ڈاکٹر طارق کو لینے چلا گیا۔ اس نے زمان صاحب کو چیک کیا۔ اس کے چہرے پہ فکر کی پرچھائیاں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ اس نے باری باری ان چاروں کے چہرے دیکھا اور بے تاثر لہجے میں بولا۔
"یہ اب نہیں رہے۔" حوریہ کو خبر ہی نہیں ہوئی کب وہ ہوش سے بیگانہ ہوئی۔ ولید نے اسے اپنے بازو میں لے لیا تھا۔
تعزیت کرنے والوں کی روز اچھی خاصی تعداد ہوتی۔ مصطفیٰ کے گھر والے روز ہی آتے۔ پڑوس سے علاوہ اس کی بیوی بھی چلے آتے۔ ساجدہ تو ان سب کو موہ لیتی۔ اس کے نرم لہجے میں جادو سا تھا۔ صفورا بیگم اسے پسند کرنے لگی تھیں۔ زمان صاحب کی موت کے تیسرے دن وہ حد سے زیادہ نڈھال تھی۔ تو یہ ساجدہ ہی تھی جس نے کہہ سن کے انہیں کھانا کھلایا' دوا دی' ان کا سر دبایا۔
ایک دن وہ نہیں آئی تو انہوں نے اس کی غیر موجودگی بری طرح محسوس کی۔ دوسرے روز وہ آئی تو انہوں نے اس کے نہ آنے کا گلہ کیا۔
زارا اور رشا کو بھی اس کی پھرتی پسند آئی تھی۔ وہ بالکل گھر کے فرد کی طرح ہر کام میں حصہ لے رہی تھی۔ زندہ دل شوخ اور ہنسوڑ ساجدہ ان سب کو ہی پسند آئی۔ اس کی خوبیاں اب کھلی تھیں۔
مصطفیٰ بھی بیچ بیچ میں آتا رہا' وہ بڑے سلیقے سے چائے پانی کا پوچھتی۔ اب وہ بھی اس کا نوٹس لینے پہ مجبور ہو گیا۔ ساجدہ اس سے ٹھیک ٹھاک بے تکلف ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

پولیس کسٹڈی میں حمید جوکھیو کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ اب تو کھانا کھانے' پانی پینے میں شدید دقت ہونے لگی تھی۔ اس کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر کو دکھانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس نے سختی سے منع کر دیا۔ اسے موت کے فرشتے کے قدموں کی آہٹ دن بہ دن قریب تر محسوس ہو رہی تھی۔ [illegible] خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سلیمان' پروا کی رخصتی کروا کر لے جائے۔ اس روز اپنی نازک حالت کی بدولت اسے نواز سے بات کرنے کی اجازت مل گئی اور ان دونوں کے درمیان آخری گفتگو تھی۔
"نواز! میری ڈیڈ باڈی انتہائی رازداری سے میرے آبائی گاؤں لے جا کے دفنا دینا۔ پروا کو پتہ نہیں چلنا چاہیے اس کا جذباتی پن اس کی زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ بعد میں اسے پتہ چل جائے گا' تب تک شاید اسے صبر آجائے۔ میرے بعد اس کا حد سے زیادہ خیال رکھنا۔ تم میرے وفادار ہو اور مرتے دم تک وفاداری نبھانا۔ میں تم سے یہی توقع رکھوں گا۔"
آج حمید جوکھیو حد سے زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔
"میری موت کے بعد جتنا جلدی ہو سکے' سلیمان کو رخصتی پہ آمادہ کر کے پروا کو اس کے گھر بھجوا دینا' وہ وہاں ہو گی تو میری روح بھی سکون میں ہو گی۔ ایک باعزت شخص کی بیوی بن کر وہ محفوظ ہو جائے گی۔ جتنا جلدی ہو سکے' یہ کام کرنا۔ میرے پاس وقت کم ہے۔" بولتے بولتے اس کا سانس اکھڑنے لگا تو اس نے نواز سے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

سلیمان کو حمید جوکھیو کی موت کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ اپنے جرائم کی سزا بھگتے بغیر وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ اس بات کا سلیمان کو بے پناہ صدمہ تھا۔ کتنی مشکل اور پاپڑ بیلنے کے بعد وہ اسے قانون کے شکنجے میں لانے میں کامیاب ہوئی۔ یہاں تک کہ اپنے والدین اور خاندان کے علم میں لائے بغیر ایک قاتل — خوفی دہشت کی علامت حمید جوکھیو کی بیٹی سے شادی کر لی۔
وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس راز کے انکشاف کے بعد کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ معاشرے میں اس کی حیثیت تھی۔ ماں باپ کی خاندانی نجابت میں کلام ہی نہ تھا۔ وہ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ' اسمارٹ' خوبرو اور ایک اچھی پوسٹ پہ کام کر رہا تھا اور حمید جوکھیو کی بیٹی جس کی اس نے شکل تک نہ دیکھی تھی' جانے کیسی تھی؟ کیا اس کے گھر والے بطور بہو اسے قبول کر لیں گے؟
ابھی تک اس نے اس بارے میں ایک لفظ تک لبوں سے نہ نکالا تھا۔ وہ خود کون سا اس کے فراق میں مرا جا رہا تھا۔ نکاح کے بعد حق مہر کی رقم اس کے پاس رکھ کر نکل آیا۔ اس کا چہرہ تک نہ دیکھا۔ بارہا اس نے اپنے دل کو ٹٹولا' جہاں محبت و الفت کا تصور تک نہ تھا۔ ہاں حمید جوکھیو سے اس نے جو وعدہ کیا تھا' اس کی وجہ سے وہ پھنس چکا تھا۔
جانے حالات کس کروٹ بیٹھنے والے تھے۔ فی الحال تو حمید جوکھیو کی اچانک موت نے اسے شدید غم و غصے سے دوچار کر دیا تھا۔
ضروری کارروائی کے بعد لاش نواز کے حوالے کر دی گئی اور وہ اپنے آقا کی وصیت کے مطابق اس کے آبائی گاؤں لے جا کر دفنا بھی آیا۔ حمید جوکھیو کی قبر پہ کوئی کتبہ تک نہ تھا۔ پہچان کے لیے سرہانے کی طرف نواز نے چار اینٹیں جوڑ کر رکھ دیں۔
یہ بھی حمید جوکھیو کا حکم تھا کہ اس کی قبر پہ کوئی کتبہ نہ لگایا جائے۔ اس پورے کام کے دوران نواز چوکنا رہا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ لاش قبر کے سپرد کرنے کے بعد وہ مطمئن تھا کہ اس نے بہت بڑی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔

☆ ☆ ☆

صفورا بیگم جلد از جلد حوریہ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں پھر مصطفیٰ کے گھر والے زمان صاحب کی موت سے بھی پہلے شادی کا تقاضا کر رہے تھے۔ اب تو انہیں سپرد خاک ہوئے ڈھائی ماہ سے زائد ہو چکے تھے۔ رضیہ بیگم نے فون پہ سرسری سی بات چھیڑی تو صفورا نے انہیں گھر آنے کی دعوت دی۔ ولید اور تیمور سے مشورہ کیا۔ ان کا ارادہ ولید اور حوریہ دونوں کی شادی کرنے کا تھا کیونکہ گھر میں گونجتے سناٹے سے انہیں خوف محسوس ہونے لگا تھا۔
ولید اور تیمور بھی تو جیسے ہنسنا بھول گئے تھے۔ رہی حوریہ تو وہ پہلے کم گو تھی۔ اب کوئی بولتا تو جواب دیتی' ورنہ چپ چپ کاموں میں مصروف نظر آتی۔ وقت نے جو زخم لگایا' وہ آہستہ آہستہ ہی بھر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

نواز سر جھکائے یوں پروا کے سامنے بیٹھا تھا جیسے اصل مجرم وہی ہو۔ پروا کے آگے جھوٹ بولتے بولتے وہ تھک چکا تھا جیسے اب کچھ دیر پہلے اس نے کہا تھا کہ مالک کا انگلینڈ

میں ایک حادثے میں انتقال ہو چکا ہے۔ لاش مسخ ہونے کے بعد وہیں دفنا دی گئی ہے۔ تب سے پروا روئے جا رہی تھی۔

اماں بھاگ بھری کی حالت تو اور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ آئے روز بیمار رہنے لگی تھی۔ مالک کی موت کی خبر سے اور بھی ڈھے گئی تھی۔ نواز اصل بات اسے بتا چکا تھا۔ بھاگ بھری کے دل پہ پہلے ہی بے انتہا بوجھ تھا۔ اس صدمے کو سہارنا کم از کم اس کے بس کی بات نہ تھی' تب ہی تو حمید جوکھیو کے بعد اس نے بھی پروا کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حمید جوکھیو اور اماں بھاگ بھری کی موت کے درمیان صرف چند دن کا وقفہ تھا۔

اب نواز کو اپنی جان کی فکر ستانے لگی تھی کیونکہ وہ حمید جوکھیو کا خاص بندہ تھا۔ اب پروا کا مخدوش مستقبل منہ پھاڑے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اماں بھاگ بھری کے دم سے وہ پروا کی طرف سے کچھ حد تک بے فکر تھا۔ پر اب یہ سہارا بھی چھن چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ حمید جوکھیو کے مخالفوں کو کسی بھی قسم کی آسانی میسر آتی' پروا کا سلیمان کے گھر پہنچنا ناگزیر تھا۔

✿ ✿ ✿

سلیمان رات ایک بجے کے بعد واپس آیا' اس لیے ابھی تک سو رہا تھا۔ ثمینہ نے ہی اسے اٹھایا۔

"سلیمان! فریش ہو کر فوراً" نیچے آؤ کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے مما!" اس نے خمار آلود آنکھیں کھول کر بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

"کوئی نواز ڈنو ہے۔ کہہ رہا ہے' تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

(وہ میرے گھر تک کیوں آیا ہے) مما یہ کہہ کر جا چکی تھیں پھر سلیمان بے حد غصے میں تھا۔

"نواز ڈنو کو میرے گھر تک آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ ابھی پوچھتا ہوں اس سے۔" دس منٹ بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ سلام دعا کیے بغیر سلیمان نے اس کی آمد کا مقصد پوچھا۔ اس سے پہلے وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کرنا بھولا نہیں تھا۔

"تم میرے گھر کیوں آئے ہو؟ جب میں نے کہا تھا کہ فون پہ مجھ سے رابطہ کرنا۔" نواز نے اس کے سرخ چہرے کو غور سے دیکھا اور غصہ پی گیا۔ کچھ بھی ہو' وہ حمید جوکھیو کا داماد تھا۔

"بات ہی ایسی تھی کہ آپ کے گھر آنا پڑا۔" مصلحت کے تحت وہ آواز دبا کے بول رہا تھا۔ "بی بی سائیں لاہور میں ہیں۔ بڑے سائیں نے تین ماہ پہلے ان کے لیے گھر خریدا تھا۔ ان کے ساتھ خاندانی ملازمہ بھی تھی جس کا کچھ دن قبل انتقال ہو چکا ہے۔ اب بی بی سائیں اکیلی ہیں۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر میں اور ملازم نہیں رکھ سکتے کیونکہ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔ گھر میں کسی عورت کا ساتھ نہیں' وہ اکیلی ہیں' آپ کی عزت ہیں۔ حمید جوکھیو کے مخالفین کا آپ کو پتہ ہے' کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ رہ گیا میں تو ہر وقت ایسا لگتا ہے کہ موت تعاقب میں ہے۔ ان حالات میں مجھے نہیں لگتا کہ میں بی بی سائیں کی موزوں حفاظت کر سکتا ہوں۔ ان کے پاس ایک عورت یا کسی اپنے کی موجودگی ضروری ہے۔" سلیمان کی پیشانی پہ شکنوں کا جال سا بن گیا تھا۔

"شکر ہے تم نے اپنی بے بسی کو تسلیم تو کیا۔ وہ میرے گھر ویران کرنے والی کی بیٹی خود کتنی غیر محفوظ ہے۔" سلیمان کے چبھتے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ جسے نواز نظر انداز کر گیا۔

"وہ آپ کی عزت ہیں اور میں مالک کی موت کے بعد سے خود پولیس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ کیا ایک ہی گھر میں ان کے ساتھ میری موجودگی مناسب ہے۔" اس نے گویا سلیمان کی غیرت کو للکارا تھا۔ حالانکہ پروا کو اس نے ہمیشہ ایک بیٹی کی نظر سے دیکھا تھا۔

"ایڈریس بتاؤ مجھے۔" سلیمان اس سے پوچھنے لگا۔ نواز ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔

"اب تم جاؤ' میں آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سائیں! اللہ آپ کا بھلا کرے۔" دعا دیتے ہوئے وہ بہت مطمئن تھا۔ اس کے جانے کے بعد ثمینہ بیٹے کے پاس آئی جو چہرے سے قدرے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"سلیمان کون تھا یہ؟"

"مما! میرا مخبر ہے یہ۔" فوری طور پر یہی جواب اس کے ذہن میں آیا۔

"بہت مشکوک اور خوفناک صورت تھی۔ بدمعاشی کی نمائش کر رہا تھا۔" ثمینہ کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔

"ہاں مما! یہ بھی اس کی مجبوری تھی۔"

"میں تو ڈر ہی گئی تھی بیٹا!"

"کیوں' ایک پولیس آفیسر کی ماں ہو کے بھی ڈرتی ہیں۔" اس نے قصداً" ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تو وہ بھی سب بھول بھال گئیں۔

✿ ✿ ✿

زارا یونیورسٹی سے پروا کے لیے بھی داخلہ فارم لے آئی تھی۔ اس نے ساری ذمہ داری اس کے سر ڈال دی تھی۔ خود وہ بہت پژمردہ اور اداس سی تھی۔ کسی کام میں بھی دل نہ لگتا۔ نواز سارا سارا دن غائب رہتا' وہ ڈری ڈری سی رہتی۔ اماں بھاگ بھری کے دم سے تنہائی کا مداوا تو تھا' اس اکیلے گھر سے تو ہوسٹل ہی اچھا تھا۔ کم از کم وہاں زندگی کا احساس تو تھا۔

نواز نے کہا تھا' وہ دو ایماندار قسم کے ملازم ڈھونڈ رہا ہے تاکہ پروا کا مسئلہ حل ہو جائے۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ نواز صرف اسے بہلا رہا ہے۔ رات کو بھی وہ بہت دیر سے واپس آتا۔ پڑوسیوں سے میل جول رکھنے سے بھی نواز نے منع کر دیا تھا پھر پوش علاقے کے ان مکینوں کو پڑوسیوں سے ایسا سروکار تھا بھی نہیں۔ سب اپنے اپنے حال میں مست تھے۔

زارا سمیت اس نے کسی دوست سے بھی جن حالات سے وہ آج کل گزر رہی تھی' اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ ہاں پروا کے بابا سائیں کی موت کا اس نے ساری فرینڈز کو بتا دیا تھا۔

نواز اس کے پاس چلا آیا۔ پروا کو سلیمان کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے نواز اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

"بی بی سائیں! مالک سے کیا ہوا وعدہ آج میں پورا کر رہا ہوں۔ آپ کے شوہر آپ کو لینے آ رہے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم۔" ایک دم ہی اس کی دھڑکنوں نے انداز بدلا۔

"میں نے انہیں یہاں کا ایڈریس دے دیا ہے' وہ ابھی آنے والے ہیں۔ اس گھر کے تمام تر اختیارات آپ کے پاس ہیں' آپ جو چاہیں کریں۔ ان سے مل کر بات کر لیں۔" نواز مشورہ دے کر منظر سے ہٹ گیا۔

پروا کی عجیب سی کیفیت خود اپنے لیے عجیب سی تھی۔

جب وہ نہیں تھا تو اس کے ہونے کا احساس تک نہ تھا اور آج بس نام لینے کی دیر تھی۔ وہ اسے کیا نام دیتی محبت' پیار' عشق یا پھر کچھ اور۔ نہیں' نہیں۔ محبت' پیار اور عشق کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس نے تو سلیمان کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ کبھی اکیلے میں وہ اس کی تصویر میں رنگ بھرنے کی کوشش کرتی مگر ناکام ہو جاتی۔

آج وہ آ رہا تھا' اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ ہاں اپنے نکاح کے بارے میں اس کے دل میں بہت سے سوال تھے۔ بعد کے حالات کے بارے میں بھی وہ جاننا چاہتی تھی۔ اس کے آنے پہ نواز نے ہی گیٹ کھولا۔

پروا قصداً" خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی' جانے کیوں وہ پزل ہو رہی تھی۔ شاید سلیمان کا اس کے پاس آ کے کچھ کہے بنا چلے جانا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ اب تو وہ اس کے گھر آیا بیٹھا تھا۔ جانے آئندہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اپنی سوچوں کے درمیان الجھتے ہوئے وہ کچن میں آئی۔

"بی بی سائیں! آپ جلدی سے اپنا ضروری سامان رکھ لیں' وہ آپ کو لینے آئے ہیں۔" نواز اسے ڈھونڈتا ہوا کچن میں چلا آیا۔ اس کا چہرا خوشی سے چمک رہا تھا۔

ایسی ہوتی ہے رخصتی' بہت سی شادیاں اس نے ہوتے دیکھی تھیں مگر ایسی رخصتی اچانک بغیر کسی شادی کے کم از کم اس کے لیے ناقابل فہم تھی۔

پھر ڈھیر سارے سوالات جو اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے' انہوں نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ نواز نے "جلدی کریں' جلدی کریں" کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

بڑی مشکل سے ہزاروں خدشات لیے وہ ڈرائنگ روم تک پہنچی۔ سلیمان کی پروا کی طرف پشت پروا کی طرف تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دھیرے سے سلام کیا' تب وہ اس کی طرف مڑا۔ چھم سے تصور کے پردے پر وہ سارا واقعہ فلم بن کر چلنے لگا جب وہ زارا' ثانیہ اور ارم کے ساتھ شاپنگ کے لیے صدر جا رہی تھیں۔ اس شخص کی ڈانٹ اسے بھولی نہیں تھی جو شاید زارا کا رشتہ دار یا پھر جانے کون تھا؟

سلیمان بھی پہلی نگاہ میں اسے پہچان چکا تھا۔ اسے بھی یاد آ گیا کہ اس لڑکی کو اس نے زارا کے ساتھ دیکھا تھا۔ آج

کا دن حیرانیوں پہ حیرانی لا رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" سلیمان نے اس کے سلام کا جواب ٹھہرے ہوئے لہجے میں دیا۔ ادھر وہ کنفیوز سی تھی۔ جھکی جھکی آنکھوں میں اضطراب کی تحریر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"آپ تیار ہیں۔" اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"چلیے۔" وہ گاڑی تک پہنچا۔ وہ جھجکتے ہوئے پیچھے بیٹھ گئی۔ بڑی زور سے بریک چرچرائے' اگلے ہی لمحے وہ یہاں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

"زارا آپ کی فرینڈ ہے۔" وہ بیک مرر اس پہ فوکس کر چکا تھا۔

"جی ہاں۔"

"کب سے ہے دوستی آپ دونوں کی۔"

"ہم کالج لائف سے دوست ہیں۔ اب یونیورسٹی میں بھی اکٹھے ایڈمیشن لیا ہے۔ زارا بہت اچھی دوست ہے میری۔ اس کی مما اور سسٹر بھی بہت چاہتی ہیں مجھے۔"

"ہونہہ۔" سلیمان نے ہنکارا بھرا۔

"گویا اس کی فیملی بہت اچھی طرح واقف ہے آپ سے۔" وہ ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بھی نوٹ کر رہا تھا۔

"جی ہاں۔" اندر ہی اندر وہ جزبز سی ہو گئی۔ سلیمان کی گہری نگاہیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

"تو بات سنیے آپ میں آپ کو اپنے دوست کی رشتہ دار شو کروں گا جو مصائب کا شکار ہو کر میرے سپرد کی گئی ہے۔ باقی زارا اور اس کی فیملی کو میں خود فیس کر لوں گا۔ آپ کو کچھ نہیں کہنا ہے۔ اگر کہنے کے سوا چارہ نہ رہے تو پھر کہہ دیجیے گا کہ آپ میرے دور کے عزیزوں میں سے ہیں۔ ہماری آپس میں دشمنی ہے۔ چونکہ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ بے سہارا ہو گئی ہیں اس لیے ترس کھا کر ہم آپ کو اپنے گھر لے آئے ہیں۔ اگر زارا پوچھے کہ آپ پہلے سے مجھے پہچانتی تھیں تو کہنا کہ نہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ میں فی الحال اس شادی کو اس سارے قصے کو ڈسکس نہیں کر سکتا۔ مناسب موقع دیکھ کر میں خود بات کر لوں گا۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں میں ہینڈل کر لوں گا۔"

سلیمان کا سرد لہجہ کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔ یعنی وہ اس کے گھر میں بیوی اور بہو بن کر نہیں بلکہ مصائب و آلام کا شکار ایک لڑکی بن کر جا رہی تھی۔ بابا سائیں نے تو کہا تھا کہ وہ اس کی شادی ایک بہت اچھے انسان سے کر رہے ہیں اور اس اچھے آدمی نے پہلے مرحلے پہ شاید کچھ غلط کر دیا تھا۔ یہ خود اتنا سرد مزاج سا الگ ہے' نہ جانے اس کے گھر والے کیسے ہوں گے؟ اسی کی طرح اور بے حس یا پھر...

اس سے آگے اسے کچھ سوچا ہی نہیں گیا۔ ذہن کے پردے پہ بابا سائیں کی تصویر ابھر آئی تھی اور اس کے دل میں ٹیس سی اٹھنے لگی تھی۔

✡ ✡ ✡

مما اور نائلہ ٹی وی لاؤنج میں تھیں۔ سلیمان کے ساتھ گھبرائی گھبرائی سی صورت والی نوجوان لڑکی کو دیکھ کر دونوں کا چونکنا لازمی امر تھا۔

"نائلہ! انہیں کمرے تک لے جاؤ۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ پروا کی موجودگی میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ نائلہ کے ساتھ وہ اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ نکلی تو سلیمان' مما کی سوالیہ نظروں کی طرف متوجہ ہوا۔

"کون ہے یہ لڑکی سلیمان!" وہ گہری نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اصل میں مما...!" وہ بات کا آغاز کرنے کے لیے مناسب لفظ ڈھونڈ رہا تھا پھر اس نے رٹی رٹائی کہانی مما کو سنا دی جو پروا کے حوالے سے اس کے ذہن میں آئی تھی۔

"مما! بے چاری حالات کی ماری ہے' اس کے باپ نے انسانیت کے نام پہ مجھ سے التجا کی تھی مجھ سے رہا نہیں گیا۔"

"پھر سلیمان! لوگ کہیں گے کہ ہم نے ایک جوان لڑکی کو کیوں گھر میں رکھا ہوا ہے۔"

"مما! میں سب کو جواب دے لوں گا۔"

"کوئی اور معاملہ تو نہیں ہے۔" ثمینہ کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ نظر چرانے پہ مجبور ہو گیا۔

"بات بس اتنی ہے کہ یہ بے سہارا ہے اور میں انسانیت کے ناطے اس کو اپنے گھر لے آیا ہوں۔ لوگ جو کہتے ہیں کہتے رہیں۔"

"سلیمان! تمہیں شاید پتہ ہے کہ میں شاہ کو بہو بنانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس تناظر میں انہیں اس لڑکی کی موجودگی اچھی نہ لگے۔" وہ صاف گوئی سے بولتیں جبکہ سلیمان ان کی زبان سے جو کچھ کہلوانا چاہتا تھا' انہوں نے کہہ دیا تھا۔

"مما! پھر اس کا حل یہی ہے کہ ہم کہہ دیں کہ یہ ہمارے دور پار کے عزیز کی بیٹی ہے۔ ہماری آپس میں دشمنی تھی جو اب ختم ہو گئی ہے' اس لیے اسے ہم اپنے یہاں لے آئے ہیں۔" وہ بڑے آرام سے ان کی برین واشنگ کر رہا تھا۔

"چلو اپنے پیا کو آنے دو' ان سے بات کرتے ہیں۔" وہ کچھ کچھ متفق ہو چلی تھیں۔ فی الحال سلیمان کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس کی پریشانی کچھ کم ہو گئی تھی۔

"گھر پسند آیا ہے آپ کو۔" نائلہ بڑے غور سے اس کے تیکھے نقوش اور گلابی رنگت کو دیکھ رہی تھی۔

"میرا نام پروا ہے' پروا احمد جو کھو اور آپ...." اس کے شکری لب وا ہوئے۔

"میں نائلہ ہوں' تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔"

"میں اکلوتی ہوں۔"

"آپ کے پیرنٹس...؟"

"میرے بابا سائیں کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں کے کٹورے لبالب آنسوؤں سے بھر گئے۔

"پلیز چپ ہو جائیں' میں نے آپ کو دکھی کر دیا ہے نا۔" وہ بے چاری تاسف سے انگلیاں مروڑنے لگی۔ درحقیقت یہ لڑکی اسے بہت اچھی لگی تھی۔ کچھ کھوئی کھوئی اداس سی۔ نائلہ اسے تسلی دے کر دوبارہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی' جہاں مما متفکر سی بیٹھی تھیں۔

رات کو اصغر صاحب اور خولہ کو بھی پروا کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ نائلہ اور خولہ کو پروا اچھی لگی تھی۔ پر ثمینہ بیگم اس سے خائف سی تھیں' نجانے کیوں؟ انہیں سلیمان کا انداز شک میں ڈال رہا تھا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے' پروا بے چینی سے کبھی دائیں کروٹ لیتی اور کبھی بائیں جانب نیند تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اصرار کے باوجود کھانے کے چند نوالے لیے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اجنبی لوگوں کے درمیان آ گئی ہو' کوئی اپنا نہ ہو۔ اس کا ہمسفر جس کے سہارے وہ یہاں تک آئی تھی' جانے کن مصلحتوں کا شکار تھا کہ اپنے اور اس کے رشتے کی حقیقت کو بھی چھپا گیا تھا۔

وہ یہاں کس حیثیت سے رہے گی؟ اور کب تک رہے گی۔ بات کھلنے پہ ان سب کا رویہ کیا ہو گا؟ کیا یہ لوگ اسے بحیثیت بہو قبول کر لیں گے۔ بابا سائیں نے اسے کچھ بھی تو نہیں بتایا تھا۔ نہ نکاح میں سلیمان کے گھر والے شریک ہوئے تھے۔ وہ بھی تو یہی کہہ رہا تھا کہ اس تعلق کے بارے میں اس کی فیملی کو بالکل بھی پتہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ ایک امیر کبیر معزز شخص کی بیٹی ہے۔ لوگ جسے جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ کیا کمی تھی اس میں جو یہ شخص حقیقت کو چھپا رہا ہے۔

کیا میرے بابا سائیں کی کوئی کمزوری اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی جو وہ مجھے یوں چوروں کی طرح رازدارانہ انداز میں اس کے ساتھ رخصتی کرنے پہ مجبور ہوئے یا پھر کوئی اور بات تھی جو یوں افراتفری میں اس کے ساتھ نکاح ہوا۔ اس کا ذہن ہر پہلو سے سوچ رہا تھا۔ اسی الجھن اور پریشانی کی وجہ سے اسے نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔

"تو پروا صاحبہ! یہ ہے آپ کی نئی زندگی۔" وہ طنزیہ اپنے آپ سے بولی۔ گلاس ونڈو سے باہر گہری تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ اسے ڈر سا محسوس ہوا تو اس نے پردہ آگے کر دیا۔

اپنی منفی مثبت سوچوں کے درمیان ڈوبتے ابھرتے اسے بھی نیند آ ہی گئی۔

✡ ✡ ✡

"کہاں غائب ہو تم دو روز سے' میں گھر گئی تھی' پر گیٹ لاک تھا۔ میں اور ثانیہ بیل بجا بجا کر واپس آ گئے۔" زارا فون پہ اس کی کلاس لے رہی تھی۔

"میں نے وہ گھر خالی کر دیا ہے۔" اس نے نیا انکشاف کیا۔

"کیوں۔"

"اکیلی جو تھی۔"

"تو اب کہاں ہو؟"

"اپنے انکل اصغر کے گھر۔" جھوٹ بولتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"کہاں پائے جاتے ہیں تمہارے انکل؟" زارا کو تجسس سا ہوا۔

"تم انہیں جانتی ہو۔"

"میں اور تمہارے انکل کو جانتی ہوں' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ایسا ہو چکا ہے ڈیئر انکل اصغر کو نہیں جانتیں۔ سلیمان گیلانی جن کا بیٹا ہے۔"

"اوہ تو تم نے پہلے نہیں بتایا؟" زارا کو بہت حیرت ہوئی۔

"پہلے اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اصل میں ہمارے گھرانوں میں دشمنی تھی۔ اس وجہ سے ملنا جلنا بھی نہیں تھا۔ بابا سائیں کی موت کے بعد گلے شکوے دور ہوئے تو دشمنی نے بھی دم توڑ دیا۔ میں اکیلی تھی' اس لیے انکل مجھے اپنے گھر لے آئے۔" اس نے فراٹے سے جھوٹ بولا۔

زارا غور سے سن رہی تھی۔

"بہت بڑی ایکٹر ہو تم' جب گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا مجھ سے اور سلیمان بھائی وہاں آئے تو تم نے کتنی اچھی اداکاری کی۔ ذرا بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ انہوں نے بھی کمال کر دیا۔ واہ واہ' ایوارڈ ملنا چاہیے آپ کو۔ میں سب کو بتاؤں گی کہ پروا سلیمان بھائی کی رشتہ دار ہے۔ کتنے حیران ہوں گے سارے۔ کوائٹ امیزنگ یار! میں ابھی شاہو آپی' مصطفیٰ بھائی اور مما کو بتاتی ہوں پھر شام کو آؤں گی تمہارے پاس' تیار رہنا۔ اچھی طرح کلاس لوں گی جناب کی۔ مجھ سے بھی چھپایا اس بات کو۔" اسے ابھی تک قلق تھا کہ پروا نے اس سے یہ سب کچھ چھپایا ہے۔

✡ ✡ ✡

ایک گی بندھی روٹین کے مطابق پروا کی زندگی نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ ثمینہ نے بادل نخواستہ اس کے وجود کو قبول کر لیا تھا۔ باقی سب خوش تھے۔ انہیں پروا کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑا تھا۔ ہاں شروع شروع میں اصغر گیلانی نے بھی بیوی کے کہنے میں آکر سلیمان پہ زور دیا کہ اس لڑکی کو کسی لیڈیز ہوسٹل میں چھوڑ آؤ اور وقتاً فوقتاً خبر گیری کرتے رہو' پر وہ نہ مانا اور انہیں قائل کر کے چھوڑا۔

پروا کسی پہ بوجھ نہیں تھی۔ ہوسٹل میں رہتے رہتے اپنے کام بھی اسے خود کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔ لہٰذا یہاں بھی اسے خاص پریشانی نہیں ہوئی۔ اسے اصغر انکل اور نائلہ سب سے زیادہ اچھے لگے تھے۔ نائلہ منہ پھٹ ہر بات بے دھڑک کہہ دینے والی۔ مخلص اور قدرے باغ و بہار طبیعت کے مالک اصغر انکل اکثر پاس بٹھا کر اس کے خاندان کے بارے میں پوچھتے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے' تب وہ اسے پچکارتے' دلاسہ دیتے' اپنائیت کا احساس دلاتے تو وہ روتے روتے ہنس پڑتی۔

اس دھوپ چھاؤں کا منظر انہیں انوکھے احساس سے دوچار کر دیتا۔ رہ گئی نائلہ تو اس کی تنہائی پروا کے آنے سے دم توڑ چکی تھی۔ جس کا وہ برملا اظہار کرتی۔

✡ ✡ ✡

صفورا بیگم' ولید اور حوریہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ان کے پاس بمشکل ایک مہینہ تھا۔ جس میں ہی سب کچھ نمٹانا تھا۔ روز بازاروں کے چکر لگتے۔ ایسے میں ساجدہ ان کے بڑے کام آئی۔ خریداری کے سلسلے میں انہیں مشورے دیتی اور حتی الامکان مدد کرتی جس کی وجہ سے وہ اس پہ ازحد انحصار کرنے لگی تھیں۔

اس روز امینہ بیگم' حوریہ کے لیے سلوائے گئے کپڑے لے کر چیک کروانے آئیں۔ ساجدہ بھی وہیں بیٹھی تھی۔

حوریہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی' امینہ کے ساتھ مصطفیٰ بھی آیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں ولید اور تیمور کے ساتھ تھا۔ حوریہ نے نماز سے فارغ ہو کر چائے بنائی اور ڈرائنگ روم میں بھجوائی۔ صفورا' مصطفیٰ کو بھی ادھر ہی لے آئیں۔ حوریہ تو باہر نکل گئی۔ شادی میں کچھ روز رہ گئے تھے' اسے مصطفیٰ کا سامنا کرنے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

ساجدہ نے ہی سب کو چائے سرو کی۔ اکثر وبیشتر وہ ادھر ہی پائی جاتی تھی۔ کیونکہ شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں سو بکھیڑے تھے۔ صفورا بیگم کا دل اس نے پہلے ہی جیت لیا تھا۔ اب تو تیمور بھی اس کی آمد سے کھل کھل جاتا۔

"آنٹی! بہت خوبصورت سوٹ ہیں' ان کی فنشنگ غضب کی ہے۔"

"کیسے ہیں یہ؟" اس نے لاعلمی کا مظاہرہ کیا۔

"تمہیں پسند آئے۔" امینہ کا دل اس کی تعریف سے کھل گیا۔

"بہت زیادہ بلکہ آپ نے جہاں سے سلوائے ہیں مجھے بھی بتا دیں میں بھی وہیں سے سلواؤں گی۔" وہ اپنے گئے کپڑوں پہ ناقدانہ نگاہ دوڑا رہی تھی۔

"کپڑے تو تم بھی اچھے پہنتی ہو۔" مما کی سراہنے جانے مصطفیٰ کی نگاہ اٹھ ہی گئی۔

کالے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس اس کی اجلی رنگت اور بھی کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ حسب روایت فیشن کے مطابق اگلا اور پچھلا گلا کافی گہرا تھا۔ وہ مصطفیٰ کو چائے دینے کے لیے جھکی تو مما کی موجودگی کے باوجود مصطفیٰ کی دھڑکن تہہ و بالا ہو گئی تھی۔ وہ جیتی جاگتی قیامت تھی۔

"یہ حوریہ کے ہیں' چیک کروانے کے لیے لائی ہوں۔" انہوں نے چاروں سوٹ اس کے آگے رکھ دیے۔ ٹراؤزر اور چھوٹی شرٹس تھی۔ فیشن کے مطابق سلی ہوئی۔

"یہ حوریہ پہنے گی' توبہ توبہ۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ صفورا اور تیمور وہاں سے اٹھ گئے تھے' اس لیے اسے اب فکر نہیں تھی۔

"وہ تو پرانے زمانے کی لڑکی ہے۔ کبھی دیکھا ہے اس طرح کے کپڑے پہنے ہوئے۔ میں نے بھی کئی بار ٹوکا۔ وقت کے ساتھ چلنا سیکھو۔ تم بڑے گھر کی بہو بن کے جا رہی ہو' وہاں کے رنگ ڈھنگ اپناؤ۔ پر وہ تو سنتی ہی نہیں۔ آپ کو بھی اس طرح کی لڑکی پسند نہیں ہو گی۔ آخر کو مصطفیٰ اتنے اچھے ہیں۔ کوئی ان جیسی ہی ہونی چاہیے۔" وہ بڑی چالاکی سے سوچ کے وار کر گئی۔

امینہ اور مصطفیٰ دونوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔ مصطفیٰ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی غلط فیصلہ کیا ہے۔ یہی حال امینہ بیگم کا تھا۔ ان کے سرکل میں ایک سے ایک ماڈرن اور طرح دار لڑکی تھی جس کی طرف مصطفیٰ اشارہ کرتا' وہی اس کی بن جاتی۔ خود امینہ کے دل میں بھی اپ ٹو ڈیٹ قسم کی بہو کا تصور تھا۔ پر مصطفیٰ کو تو ولید کی بہن بھا گئی تھی۔ اس نے شور مچا دیا کہ فوراً" ان کے گھر جائیں۔ اس کی جلدی جلدی کی رٹ نے انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت ہی نہ دیا اور وہ رشتہ لے کر چلی گئیں۔

آج انہیں اپنے فیصلے پہ پچھتاوا ہو رہا تھا۔ شاید ایسے ہی جذبات اس وقت مصطفیٰ کے بھی تھے۔ ساجدہ جیسی فتنہ ساماں لڑکی کے ناز و انداز دیکھ کر اس کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔

اسے عاطف محمود کی طرح دار سی بیٹی اریبہ یاد آگئی جو اس سے محبت کا دم بھرتی تھی۔ اس کی ڈریسنگ کتنے غضب کی ہوتی تھی' اس کے بالوں کا اسٹائل' چلنے پھرنے کا انداز اور نزاکت' اداؤ گفتگو سب کچھ کتنا اٹریکٹو تھا۔

ساجدہ ہی کپڑے اٹھا کر حوریہ کے پاس گئی۔ اس نے دیکھتے ہی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"میں کہاں عادی ہوں ایسے کپڑے پہننے کی۔ ان سے کہو' سمپل سے قمیص شلوار سلوائیں۔ میں اس میں زیادہ ایزی رہتی ہوں۔ ٹراؤزر مجھے پسند نہیں۔" ساجدہ دل میں مسکراتی رہی اور کپڑے لے کر ڈرائنگ روم میں واپس آگئی۔

"اس نے تو دیکھتے ہی اٹھا کر پھینک دیے کہ کتنے واہیات بے ہودہ کپڑے سلوا کر لائی ہیں۔ کہتی ہے' میں ایسے کپڑے نہیں پہنتی۔ یہ شریفوں کے لائق نہیں۔" اس نے ایک کی چار لگا کر بتائیں اور توقع کے مطابق امینہ غصے میں آگئیں۔ مصطفیٰ کا حال بھی مختلف نہ تھا۔

"میں ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔ کیا ہم شریفانہ کپڑے نہیں پہنتے۔"

"آنٹی! یہ غضب نہ کیجیے گا' سب کہیں گے یہ میرا کیا دھرا ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچیے۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی کیونکہ کسی بھی وقت گھر کا کوئی فرد ادھر آسکتا تھا۔ آخر کو وہ حوریہ کی سسرال والے تھے۔ امینہ بیگم مصطفیٰ کو ساتھ لے کے اٹھ گئیں۔ صفورا روکتی رہ گئیں۔

"ارے انہیں کیا ہوا ساجدہ! اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی۔"

"بس آنٹی! کہہ رہی تھیں کہ حوریہ بہت پرانے زمانے کی لڑکی ہے۔ ہمارا بیٹا افسر ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔" وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

صفورا بیگم پریشان سی ہو گئیں۔ آج سے پہلے تو ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ کرید کرید کر ساجدہ سے اس بارے میں پوچھتی رہی۔ کسی طرح تسلی ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں' جو ہو گا' اچھا ہو گا۔"

"کتنی اچھی ہو تم' سدا خوش رہو۔ اگر ولید کا رشتہ طے نہ ہو چکا ہوتا تو..." وہ بولتے بولتے رک گئی۔

درحقیقت ساجدہ کو دل جیتنے کا گر آتا تھا' اس وقت وہ یہی گر آزما رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

زارا یونیورسٹی میں بھی کپڑے ڈسکس کر رہی تھی۔ مصطفیٰ بھائی کی شادی جوں جوں قریب آتی جا رہی تھی'

اس کے اشتیاق میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"تم سب نے ہفتہ پہلے آجانا ہے۔" اس نے چاروں دوستوں کو پھر سے یاددہانی کرائی۔ "مہندی اور مایوں پہ ایک جیسے کپڑے پہنیں گے۔ ہوسکتا ہے مصطفیٰ بھائی کے ولیمہ کے دن شاہ آپی کی بھی منگنی ہوجائے" اس نے انکشاف کیا۔

"کس کے ساتھ ہوگی شاہ آپی کی منگنی۔" پروا نے پوچھا۔

شاہ اس سے ڈیڑھ دو سال بڑی تھی۔ زارا کی دیکھا دیکھی وہ بھی اسے آپی کہتی۔

"تمہیں نہیں پتہ۔" زارا نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو 'تمہیں واقعی نہیں پتہ۔'

"یارا مجھے کیسے پتہ ہوسکتا ہے۔ اگر ہوتا تو تم سے کہتی۔" وہ چڑ سی گئی۔

"سلیمان بھائی کے ساتھ شاہ آپی کی منگنی ہوگی۔" پروا کے چہرے پہ ایک رنگ سا آگیا۔ زارا اس کی حالت سے بے خبر تفصیل بتا رہی تھی۔

"اصل میں شاہ آپی کو شروع سے ہی ثمینہ آنٹی پسند کرتی ہیں۔ مذاق مذاق میں انہوں نے پانچ چھ سال پہلے ذکر کیا تھا۔ پر سلیمان بھائی کی وجہ سے باقاعدہ رشتہ نہیں ڈالا کیونکہ وہ اور مصطفیٰ بھائی فنانشلی اسٹرونگ ہوئے بغیر شادی جیسے بکھیڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اب میں نے سنا ہے کہ ثمینہ آنٹی باقاعدہ رسم کرنا چاہتی ہیں۔"

پروا کے دل کو کچھ ہوا۔ اس پہلو پہ تو اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ زارا اور بھی بہت کچھ کہتی رہی وہ ہوں ہاں کرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کا دن تھا' نو بجے کے قریب سب سے پہلے پروا اٹھی۔ اس نے اپنے لیے چائے بنائی پھر اصغر انکل کے لیے بھی ایک کپ میں ڈال کر لے گئی جو لان میں بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے' وہ بھی ابھی ابھی اٹھے تھے۔

"تھینک یو سویٹ۔ اس وقت گرما گرم چائے پینے کو بڑا دل کررہا تھا۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔" وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"تمہیں زحمت تو ہوگی۔ ایک کپ سلیمان کے لیے بھی بنادو' وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔ اسے میرا پیغام بھی دو کہ تیار ہوکر نیچے آجائے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ باورچی خانے میں آکر چائے بنانے لگی۔ سلیمان کے کمرے میں وہ کبھی نہیں گئی تھی اس لیے دروازہ ناک کرتے ہوئے قدرے گھبرائی۔

"کم آن۔" اندر سے سلیمان کی خمار آلود آواز ابھری وہ جہازی سائز بیڈ پہ دائیں کروٹ لیٹا ہوا تھا۔

"یہ چائے ہے اور اصغر انکل آپ کو بلا رہے ہیں وہ لان میں بیٹھے ہیں۔" وہ تیز تیز بول کر یوں بھاگی جیسے کچھ دیر رکی رہی تو انہونی ہوجائے گی۔

دوپہر کو خولہ بھی اپنے بچوں کے ہمراہ چلی آئی۔ سب لاؤنج میں تھے۔ ہنسی مذاق ہورہا تھا۔ قدرے سائیڈ پہ پروا بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ سلیمان کی موجودگی کی وجہ سے کانشس سی ہورہی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی کی شادی میں کچھ دن ہی رہ گئے ہیں" نائلہ نے بچوں کے سے اشتیاق سے خولہ کو بتایا۔

"ممّا! آپ بھی بھائی کی شادی کریں نا' مصطفیٰ بھائی کی بھی ہورہی ہے۔" نائلہ لاڈ سے بولی۔

"کروں گی' بہت جلد کروں گی سلیمان کی شادی بھی۔ میرا خیال ہے' منگنی کی رسم تو کر ہی لینی چاہیے۔" سلیمان کو دیکھنے لگی۔

"میں ابھی شادی جیسے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا" سلیمان نے جان چھڑانی چاہی۔

"بیٹا! منگنی کا فنکشن کرلیتے ہیں۔"

"نہیں ممّا! ابھی کچھ نہیں۔"

"شاہ اچھی لڑکی ہے' امینہ بتا رہی تھی اس کے رشتے بھی آرہے ہیں۔ اچھی لڑکیوں کے رشتے جلد ہوجاتے ہیں۔ انہیں کمی تو نہیں ہے۔ میں چاہتی بات تو ان کے کان میں ڈال دوں۔ چھوٹی سی رسم کردوں باقاعدہ طور پہ۔" انہوں نے اسے گھیرنا چاہا۔

"میرا موڈ نہیں ہے۔"

"موڈ ہوتا نہیں' بنایا جاتا ہے۔ مصطفیٰ تمہارے بعد کا ہے۔ اس کی بھی شادی ہورہی ہے۔ ہمارے دل میں ارمان ہے اس گھر میں بہو آئے' تمہارے بچے ہوں' گود میں کھلاؤں' ناز اٹھاؤں۔" انہوں نے ماؤں والا حربہ آزمایا۔

ادھر پروا کا سارا وجود گویا کان بن گیا تھا۔ "میری بہو کی منگنی شادی جس کے ساتھ بھی ہو' میں یہاں اجنبی کی طرح رہ رہی ہوں۔ نواز بھی نہیں ہے' اسی کے ساتھ مشورہ کرتی۔ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور اس کم بخت شخص کو دیکھو' مجھ سے نکاح کرنے کے بعد منگنی بھی کررہا ہے۔" آخر یہ اپنے گھر والوں کو کچھ بتاتا کیوں نہیں۔ ایسی کیا بات ہے' کون سا راز ہے؟" وہ سرگوشی میں گرائے بیٹھی تھی۔ سب سے پہلے خولہ کی نظر اس پہ پڑی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" وہ نائلہ سے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے کیا پتہ۔" وہ لاعلم تھی۔ خولہ نے اس کا کندھا ہلا دیا۔

"پروا۔۔۔ پروا! کیا بات ہے؟" اس نے سر اوپر کیا تو آنکھیں سرخ سرخ ہورہی تھیں۔

"میرے سر میں بہت شدید درد ہورہا ہے۔" وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

ثمینہ اور خولہ کے دل میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے۔

"ویسے کسی اچھے گھر کی لڑکی لگتی ہے یہ' کیوں سلیمان۔!" خولہ بھائی کو دیکھ رہی تھی جو ریموٹ کنٹرول اٹھائے چینل سرچنگ میں مصروف تھا۔

"ہوں۔" وہ مختصراً بولا۔

"اگر آپ شاہ کو پسند نہ کرچکی ہوتیں تو یہ بھی بری نہیں تھی۔"

"ارے بس کرو' ایسی بے نام و نشان لڑکی کو میں کبھی بہو نہ بناؤں۔" ثمینہ کو تاؤ آگیا۔

"ممّا! بھائی اسے لائے ہیں' انہیں سب پتہ ہوگا۔ یہ بے نام و نشان کیوں ہے؟ شکل و صورت' رکھ رکھاؤ سے بہت سلجھی ہوئی لگتی ہے۔ کسی اچھے ماں باپ کی اولاد ہوگی۔" خولہ کے یوں کہنے پہ سلیمان دل ہی دل میں طنزاً مسکرایا۔

(اچھے ماں باپ کی اولاد' حمید جو کھیو کی اولاد جس کا نام سنتے ہی شریف لوگ کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔)

"ہم تو سن لو' میں منگنی کی رسم کرکے رہوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہوجائے۔" ثمینہ پوری طرح اپنی مرضی کرنے کے لیے آمادہ نظر آرہی تھیں۔

"خولہ منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی خرید لیتے ہیں۔ چند رشتے داروں کو بھی بلالیں گے' باقی کسر شادی پہ پوری کرلیں گے۔ خوب دھوم دھام سے کروں گی میں شادی اپنے بیٹے کی۔ مصطفیٰ کے ولیمہ کے روز منگنی کا فنکشن کرلیں گے۔ کیوں کیسا ہے؟" انہوں نے خولہ اور نائلہ سے تائید چاہی۔

"ٹھیک ہے ممّا! جیسے آپ کی مرضی۔" یہ خولہ تھی جس نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج ولید اور حوریہ کی مہندی کا فنکشن تھا۔

گلاں گوریاں دے وچ ٹوئے
ای مر گئے نی اوئے اوئے
ہائے ہائے دہائی پے گئی
کڑی کڈ کے کالجہ لے گئی

ہیجان خیز میوزک کی دھن پہ ساجدہ بڑی مہارت سے ناچ رہی تھی۔ وہ آج جان محفل بنی ہوئی تھی۔ ماحول خوب بنا ہوا تھا۔ اگلا گانا شروع ہوا تو مصطفیٰ کا ایک کزن بھی ساجدہ کا ساتھ دینے کے لیے آگیا۔

وے سانوں سوہنی لگدی تو ساری بنی ساری

سارے لڑکے بڑی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ مصطفیٰ کا خاندان روشن خیال تھا۔ لڑکے لڑکیاں اکٹھے ہی ہوتے جبکہ حوریہ کے خاندان میں ایسا نہیں تھا۔ عورتوں مردوں کے لیے الگ الگ انتظام کیا جاتا۔ پر یہاں ایسا کوئی فرق نہیں روا رکھا گیا تھا۔

"کتنی خوبصورت اور بولڈ لڑکی ہے۔" مصطفیٰ کا چچازاد بولا۔

اسٹیج پہ مصطفیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' وہ اس کے سامنے ہی تو تھی۔ پارے کی طرح متحرک اور بے چین۔ سرخ ساڑھی میں شعلہ جوالہ بنی دہک رہی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی کی بیگم تو ایکدم بیک ورڈ سی لگتی ہیں۔ شرمیلی اور جھینپو سی۔" مصطفیٰ کے دائیں جانب سے آواز ابھری۔ یہ اس کی پھوپھو زاد عافیہ تھی۔

"چل نہیں پائے گی اس کے ساتھ۔" کوئی اور بولا تھا۔ وہ سب صوفے کے پیچھے کھڑی تھیں' اس لیے وہ ان کے تبصرے سن رہا تھا۔

"یہ لڑکی جانے کون ہے' اس کا بائیوڈیٹا تو معلوم کرو۔ مجھے بہت اچھی لگی ہے۔" عافیہ کی اس بات پہ مصطفیٰ کو جانے کیوں بے حد جلن ہوئی۔

"اتنی زبردست ڈریسنگ کرتی ہے یہ جبکہ حوریہ تو چھ گز

کا تھان ہر وقت سر پہ لپیٹے رہتی ہے۔ مجھے تو مصطفیٰ بھائی پہ ترس آرہا ہے۔ وہ اریبہ کتنی پیاری تھی' مرتی تھی مصطفیٰ پہ پر اس نے تو گھاس ہی نہیں ڈالی۔" وہ سب یوں بول رہی تھی جیسے باقی سب بہرے ہوں۔

ساجدہ تھک ہار کر بیٹھی تو مصطفیٰ کی کزنز نے ڈھولک سنبھال لی۔ زارا نے اپنے پاس پروا کی بھی جگہ بنائی۔

مہندی کی یہ رات
آئی مہندی کی یہ رات
رہے ہاتھوں میں ایسے ہاتھ
دولہنیا ساجن کے ہے ساتھ
اوہو مہندی کی یہ رات

تالیاں بجاتے بجاتے پروا کو احساس ہوا کہ وہ کس کی نگاہوں کے گھیرے میں ہے۔ وہ پھر سر جھٹک کر باقیوں کا ساتھ دینے لگی۔

ذرا ڈھولکی بجاؤ گوریو
میرے سنگ سنگ گاؤ گوریو

زارا پوری قوت سے گلا پھاڑ رہی تھی۔ پروا بے سکون سی تھی۔ جانے کون تھا جو اسے نگاہوں کی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ وہ سب کے پاس سے اٹھ آئی اور دور جا کے بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے اسٹیج پہ سلیمان اور لڑکوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

پرسوں مصطفیٰ کے ولیمہ کے فنکشن اس کی منگنی کی رسم ہونی تھی۔ یہ بات کنفرم ہو چکی تھی کیونکہ ثمینہ منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی لے آئی تھیں۔ یکایک ہی اس سارے ہنگامے سے اس کا دل اچاٹ ہونے لگا۔ ثناء کچھ شرمائی شرمائی سی لگ رہی تھی۔

سلیمان کو وہ شروع سے ہی پسند کرتی تھی۔ دل کی خواہش یوں پوری ہو جائے گی اس نے سوچا تک نہ تھا۔ اب آنٹی نے بات کی تو اس کا دل کھل گیا۔ سلیمان کو چوری چوری وہ کئی بار دیکھ چکی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس کا ہونے جا رہا تھا۔ اب تو وہ اسے دیکھنے کا حق رکھتی تھی۔

تیمور بڑی ڈھٹائی سے ابھی تک پروا کو گھورے جا رہا تھا۔ ولید نے اس کی حرکت دیکھ لی تھی۔

"شرم نہیں آتی برادر' پرائی لڑکی کو دیکھتے ہوئے۔" وہ ذرا بھی نہ گھبرایا۔

"بھائی جی! جی ٹی روڈ پہ بریکیں لگ گئی ہیں۔" وہ بڑی بے چارگی سے بولا تو ولید کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"گویا تمہارا دل نہ ہوا جی ٹی روڈ بن گیا ہے۔"

"فی الحال تو بڑی ہلچل مچی ہوئی ہے۔" وہ پروا کو نظروں میں بساتے ہوئے بولا تو ولید کو اس کی حالت پہ رحم آ گیا۔

"ٹھہرو' میں ابھی دیوانے دل کا علاج کرتا ہوں۔ زارا سے پوچھتا ہوں۔" اس نے تیمور کو تسلی دی اور زارا کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر پھر خیال آنے پہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ فلرٹ والا معاملہ تو نہیں ہے۔" وہ اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں' سو فیصد سیریس ہوں۔ میری حالت دیکھ کے لگ نہیں رہا ہے کیا۔"

"کیا ہوا ہے تمہاری حالت کو۔"

"رنگ زرد ہو رہا ہے' ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں' دل تیز تیز دھڑک رہا ہے' چہرے پہ پسینہ آرہا ہے' آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور۔۔۔ اور۔۔۔"

"واقعی تمہاری حالت سیریس لگ رہی ہے۔ میرے بچے' میرے جگر گوشے۔" ولید نے اسے گلے لگایا اور مصنوعی آنسو صاف کرنے لگا۔

زارا' ثناء کے بلاوے پہ ہجوم سے نکل کے باہر آئی تو اچانک ولید اس کے راستے میں آگیا۔

"زارا! وہ گرین چوڑی دار پاجامے والی لڑکی کون ہے؟" اس نے نگاہوں کے اشارے سے پوچھا تو وہ تیکھی چتون سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں' خیریت تو ہے نا! کہیں عین شادی کے دن گھر سے بھاگنے کا ارادہ تو نہیں ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ الٹا ہی سوچنا۔ میرے معصوم بھائی کے جگر کے پار عشق کا تیر لگا ہے۔"

"اوہ' آپ کا بھائی اور معصوم۔ آج کی تازہ ترین خبر" وہ اسے پوری طرح ستانے پہ تلی ہوئی تھی۔

"ویسے یہ میری بیسٹ فرینڈ پروا ہے' بہت امیر باپ کی بیٹی اور جائیداد کی اکلوتی وارث ہے۔ سلیمان بھائی کی رشتہ دار ہے۔ میں آپ سے بعد میں پوچھوں گی۔" وہ ثناء کو ڈھونڈنے لگی جو اسے بلا کر خود جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

تیمور دور بیٹھا بڑی بے تابی سے ولید کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے من و عن زارا سے جو سنا تھا' دہرا دیا۔ اب ولید کا دل کچھ سکون میں تھا۔

"بھائی! کیوں نہ کل زارا کی فرینڈ کو بھی انوائٹ کر لیں۔"

"وہ کس خوشی میں؟" وہ منہ بنا کر بولا۔

"آخر کو میرے بھائی اور بہن کی مشترکہ مہندی کا فنکشن ہے۔ میرا بھائی کوئی عام سا تو نہیں ہے نا!" وہ خوب مکھن لگا رہا تھا۔

"نہیں نہیں' آپ کا بھائی کوئی عام سا تھوڑا ہے۔ اگلے امریکی صدارتی الیکشن میں صدارت کا امیدوار ہے۔" ولید نے اسے زوردار دھپ لگائی تو وہ بدامان کر اس سے دور کھڑا ہو گیا۔

وہ حسینہ خاصی اداس سی لگ رہی تھی۔ تیمور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس چلا گیا۔

"بات سنیے' زارا کہاں پہ ہیں؟ میں حوریہ کا بھائی ہوں۔" لگے ہاتھوں اس نے تعارف بھی کروا دیا تو پروا نے اسے قدرے بے توجہی سے دیکھا۔ وہ قطعی لفٹ دینے کے موڈ میں نہیں لگ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ' شاید اندر ہو۔" وہ دوبارہ خود میں غرق ہو گئی۔

"کیا آپ شروع سے ہی ایسی ہیں؟"

"جی کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس کی بے سروپا بات پہ غصے میں آ گئی تو وہ احمقانہ جملے کا اثر زائل کرنے کے لیے جلدی سے بولا۔

"میرا مطلب ہے' آپ شروع سے ہی اتنی سنجیدہ رہتی ہیں۔"

"آپ کو کیسے پتہ کہ میں شروع سے ہی سنجیدہ رہتی ہوں؟"

"میں آپ کو کافی دیر سے دیکھ رہا تھا۔"

"اچھا' تو آپ تھے جو مجھے گھور رہے تھے' کس خوشی میں؟" اس کے پے در پے جملوں سے بے چارہ ولید گھبرا گیا۔

"وہ اصل میں۔۔۔ اصل میں آپ اچھی بہت لگ رہی تھیں نا!" اس کی گھبراہٹ پہ پروا کو ہنسی آ گئی۔ اسمارٹ سا یہ لڑکا اسے خاصا بے وقوف اور بے ضرر لگا تھا۔

"آپ ہنستے ہوئے اور بھی اچھی لگتی ہیں۔" اس کا لہجہ بہت عام' وہ سادہ سا تھا۔ سامنے بیٹھے سلیمان کی نگاہ قطعی غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھی تھی۔

پروا ہنس رہی تھی مصطفیٰ کے سالے کے ساتھ اور ہنستے ہوئے اس کے گال پہ پڑنے والا ڈمپل اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ مصطفیٰ کے پاس سے اٹھ آیا۔

"نائلہ کہاں ہے؟" وہ اچانک اسے سامنے پا کے گڑبڑائی۔ تیمور ابھی ابھی یہاں سے ہٹا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔" وہ سلیمان کے لہجے اور آنکھوں میں پائے جانے والے غصے کی لپک جاننے سے قاصر تھی' سو بڑے آرام سے بولی۔ اس کا یہ بے پروا انداز سلیمان کو تپا گیا۔

"گھر جانا ہے یا ساری رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے۔" پروا نے نگاہ چرالی۔ عین اس وقت زارا کی نظر ان دونوں پہ پڑی۔ وہ لپک کے آئی۔

"پلیز پروا! رک جاؤ نا۔" وہ منت سے اس کے ہاتھ تھام کے بولی۔

"میں نہیں رک سکتی کیونکہ آنٹی سے پوچھا نہیں ہے پھر مجھے کسی اجنبی جگہ' اجنبی بستر پہ نیند بھی نہیں آتی ہے۔"

"نیند کی بچی' شادی کے بعد سسرال بھی تو جاؤ گی نا آنٹی کا گھر چھوڑ کر' وہاں کیسے سوؤ گی؟" سلیمان کے سامنے شادی کے ذکر پہ وہ بلش سی ہو گئی۔

"سلیمان بھائی! آپ ہی سمجھائیں نا اسے' دو روز بعد ثناء آپی کی منگنی ہے۔ تمہارے رہے بغیر خاک مزا آئے گا۔" زارا نے اسے مشکل میں ڈال دیا۔

"پلیز زارا! میری طبیعت بھی آج ٹھیک نہیں ہے۔ پرامس کل رک جاؤں گی۔ آج کی رات نائلہ کو روک لو۔" اس نے بمشکل تمام اپنی جان چھڑائی۔

زارا کا منہ بنا ہوا تھا۔ آتے ہوئے پروا' سلیمان کے ساتھ اکیلی تھی۔ نائلہ وہیں پہ تھی اور ثمینہ' اصغر صاحب کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے ہی جا چکی تھیں۔

"آپ زارا کے کہنے کے باوجود رکی نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے اسے جلدی نہ ہو۔ حالانکہ ڈھائی بج چکے تھے۔

"میرا جی نہیں چاہ رہا تھا۔" پروا کا دل گداز سا ہو چلا تھا۔

"اچھا وہ لڑکا کون تھا جس کے ساتھ آپ بات کر رہی تھی؟" اب سچ مچ وہ حیران ہوئی کیونکہ آج سے پہلے تک سلیمان نے اس سے اتنی زیادہ باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ خود

پہ قابو پاچکی تھی۔

"میں کہہ رہا تھا حوریہ کا بھائی ہوں۔ زارا کا پوچھ رہا تھا۔ عجیب ہونق اور بے وقوف سا لڑکا تھا۔ کہتا ہے۔ آپ ہمیشہ سے اس طرح اداس رہتی ہیں۔" اس کا منہ بن گیا تھا۔

سلیمان کے دل کو ہولے سے کسی نرم و نازک احساس نے چھوا جس کی شدت سے وہ خود بھی فی الحال ناواقف تھا۔ ایسا ہونا نہیں چاہیے کیونکہ وہ حمید جوکھیو کی بیٹی تھی۔ اس حمید جوکھیو کی جس نے اسے کیریر کے حوالے سے جذباتی بلیک میل کیا تھا اور سزا بھگتے بغیر اس دنیا سے چلا گیا تھا۔

گھر پہنچنے تک وہ خاموش رہا۔ رات تو خاموشی سے گزر گئی۔ پر صبح پرسکون نہ تھی۔ ثمینہ بیگم کو جب سے پتہ چلا کہ وہ رات گئے سلیمان کے ساتھ اکیلی واپس آئی ہے، تب سے ان کا منہ بن گیا تھا۔

پروا سے جانے کیوں انہیں خطرہ سا محسوس ہونے لگا تھا۔ حالانکہ سلیمان نے شاید ہی اسے کبھی مخاطب کیا ہو۔ وہ گھر میں ہوتا بھی تو پروا اس کے سامنے آنے سے گریز کرتی پھر بھی خطرے کی تلوار ہر وقت سر پہ لٹکتی ہی رہتی۔

☼ ☼ ☼

مجھے چشم ناز سے مت گرا
مجھے چشم ناز سے مت اٹھا
میرے ہم نفس میرے ساتھیا
ترے سارے عذر قبول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں
رہوں کب تلک تیری راہوں میں
مجھے رکھ کے دیکھ اپنی نگاہ میں
میری خواہشیں تری چاہ میں
کسی گزرے وقت کی دھول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں
میری زندگی دھواں دھواں
ترے ساتھ جاؤں کہاں کہاں
میری آرزوئیں خزاں خزاں
ترے پاس پھول ہی پھول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں
مجھے میری ذات پہ قدرتیں
کہاں میں کہاں مری حسرتیں
میری جان جاں تیری نفرتیں
میری زندگی کا حصول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں

دو روز بعد سلیمان کی منگنی تھی۔ منگنی کا جوڑا اور لوازمات ثمینہ، خولہ کو دکھا رہی تھیں جو کل رات آئی تھی۔ پروا اس کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ کھیل رہی تھی جو اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔

"پروا! ذرا ادھر تو آنا۔" خولہ نے سونو میں مگن پروا کو پکارا تو وہ اسے اٹھائے پاس چلی آئی۔

"جی آپی!"

"ذرا یہ شرٹ تو ساتھ رکھ کے دکھاؤ، کلر سوٹ کر رہا ہے کہ نہیں کیونکہ ثناء کی چہرے کی رنگت بھی صاف ہے تمہاری طرح۔" انہوں نے پاس بلانے کا سبب بتا کر بہت اسٹائلش سی کامدار شرٹ اس کی طرف بڑھائی تو وہ انکار نہ کر سکی۔

سونو نیچے اتارے جانے پہ مچل گیا اور اس کی ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لیں۔ پروا نے فوراً شرٹ خولہ کی طرف پھینکی جیسے کپڑا نہ ہو، عفریت ہو کیونکہ اس نے دروازے میں کھڑے سلیمان کو دیکھ لیا تھا۔

"آؤ بھئی سلیمان! یار دیکھو تو ثناء کے لیے کتنے خوبصورت کپڑے لائے ہیں ہم۔"

"سوری آپا! یہ آپ خواتین کا شعبہ ہے، مجھے تو معاف ہی رکھو۔" اس نے جان چھڑائی۔ سونو ماموں کو دیکھ کر ان کی طرف دوڑ گیا۔ پروا اس کے پاس سے گزر کر باہر جانے لگی تو سلیمان نے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کی جھلک صاف طور پہ محسوس کی۔

نہ وہ کچھ کہتی تھی، نہ بولتی تھی، نہ احساس دلاتی تھی! یہ نمی کیا معنی رکھتی تھی؟

☼ ☼ ☼

زمان صاحب کے گھر میں خوشیوں کی بارات اتری ہوئی تھی جیسے۔ ولید اور حوریہ کی مہندی کا فنکشن اکٹھے تھا۔ لڑکیاں بالیاں تیار ہو کر ڈھول پیٹ رہی تھیں۔ بہت بڑی شدت سے اس دشمن جاں کا انتظار تھا جو پہلی نگاہ میں ہی صبر و سکون لوٹ کر لے گئی تھی۔

پہلے ولید کے سسرال والے مہندی لے کر آئے۔ دھما چوکڑی سی مچی ہوئی تھی۔ اوپر سے ساجدہ نے خو...

... کالونی کے اکثر لڑکوں کی سانسیں اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئی تھیں۔ رونق لگائی تھی۔ کالے رنگ کے کپڑوں میں آج وہ باقی دنوں سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی۔

سب صدف کی قسمت پہ رشک کر رہے تھے۔ تمام تر تعریفیں جو نگاہوں اور اشاروں میں کی گئی تھیں اس نے اپنا حق سمجھ کر وصول کی تھیں۔ حامد کے ساتھ اپنی شادی کو اس نے تقدیر کی ناانصافی قرار دیا تھا۔ سو اپنی دانست میں وہ اسی تقدیر کا مذاق اڑا رہی تھی۔

شادی کے بعد شہر آ کر کافی ہوشیار ہو گئی تھی اور مردوں کی فطرت کو سمجھنے لگی تھی۔ سو اس گر کو وہ بڑی کامیابی سے استعمال کر رہی تھی اور اپنی ویلیو کو بڑھا رہی تھی، ورنہ آفاق عالم اس کی ایک نگاہ ناز کی خاطر ترس نہ رہا ہوتا۔

وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی، پر مجبوریوں اور تلخی نے بہت سے سبق پڑھا دیے تھے۔ اپنی دانست میں وہ حامد سے اس بے جوڑ شادی کا انتقام لے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کی سسرال والے گیارہ بجنے کے باوجود ابھی تک نہیں آئے تھے۔ گیارہ سے ساڑھے گیارہ بھی بج گئے۔ اب تو صغرا بیگم کے دل میں بڑے بڑے خدشات جنم لینے لگے۔ انہوں نے ولید سے حوریہ کے سسرال فون کرنے کے لیے کہا۔ نیچے شور بہت زیادہ تھا، وہ سیل فون لے کر چھت پہ چلا گیا۔

آدھے گھنٹے سے اوپر وقت گزر چکا تھا، جانے تیمور کہاں تھا؟ صغرا بیگم نے اس کی تلاش میں ساجدہ کو بھیجا۔ وہ کہیں نہیں تھا، ڈھونڈ ڈھانڈ کر ساجدہ دوبارہ ان کے پاس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد تیمور خود ہی چلا آیا اور صغرا بیگم اور ولید کو ایک طرف لے گیا۔ ولید اس کی سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"مصطفیٰ بھائی نے شادی سے انکار کر دیا ہے اور صبح سے گھر سے غائب ہیں۔ لعینہ آنٹی نے مجھے بتایا ہے۔" وہ اس وقت صبر و ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر رہا تھا۔

"ہائے... میرے مولا...!" صغرا بیگم سینہ پکڑ کر وہیں ڈھیر ہو گئیں۔

وہ دونوں ماں کو سنبھالنے لگے۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایسے میں یہ افتاد آ پڑی۔ ولید ماں کو اسپتال لے گیا اور تیمور، چچا کے پاس آ گیا۔ بات چھپانا بیکار تھی۔ کب تک اس پہ پردہ ڈالا جا سکتا تھا۔ بڑی نازک صورت حال تھی۔ ولید کے سسرال والے واپس چلے گئے۔ صرف اس کی ساس سسر اور دو کزن یہاں تھے۔

ولید کی بیوی کا نام صدف تھا۔ اس کے گھر والے بڑے معقول اور سلجھے ہوئے لوگ تھے۔ اس وقت صدف کے والدین نے ہی تیمور کو تسلی دی اور باقی رشتہ داروں کو مناسب الفاظ میں اس سانحے کے بارے میں بتایا۔ حوریہ اندر تھی، اسے اب تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ باہر کیا قیامت گزر چکی ہے۔ جب دبی زبان میں سرگوشیاں اس تک پہنچیں تو وہ بے چین ہو گئی۔

"کوئی تیمور بھائی یا ولید بھائی کو بلا کر لے آئے اور امی کہاں ہیں؟" اس وقت وہ روایتی شرم و حیا بھول گئی تھی اور پھولوں کے گجرے بالوں سے نوچتی وہ بیڈ سے اتر آئی۔

ولید کی ساس طاہرہ بیگم نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دوبارہ اسے بیڈ پہ بٹھا دیا۔ اتنے میں تیمور آ گیا۔

"حوری میری بہن! امی ہاسپٹل میں ہیں۔ مصطفیٰ بھائی نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔" وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر رونے لگا تو حوریہ کے آنسو اندر ہی اندر دم توڑ گئے۔

"مصطفیٰ نے اگر شادی سے انکار کر دیا ہے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے! امی کی فکر کرو، انہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" نازک سی کمزور دل کی مالک حوریہ اس وقت بے پناہ حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ طاہرہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

پھر ولید صبح چار بجے صغرا بیگم کو لے کر واپس آیا۔ ڈاکٹر نے ضروری ٹریٹ منٹ کے بعد انہیں فارغ کر دیا تھا۔ حوریہ پہ نظر پڑتے ہی ان کو نئے سرے سے سب کچھ یاد آنے لگا۔ وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"امی! آپ ٹینشن نہ لیں۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ شکر ہے، میں ابھی سے بچ گئی ہوں، ورنہ آئندہ جانے کیا ہوتا۔" حوریہ کو پتہ تھا، اس وقت صرف وہی انہیں احساس زیاں سے نکال سکتی ہے۔

"حوری! مجھے معاف کر دو۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ لوگ ایسے نکلیں گے۔"

"کس بات کی معافی امی! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ جا کر آرام کریں۔ ولید بھائی کی بارات جانے میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ آپ دولہا کی ماں ہیں۔ آپ کو بالکل فٹ فاٹ

لگنا چاہیے۔"

وہ ہر ممکن طریقے سے انھیں اس صدمے سے نکالنا چاہتی تھی۔ انہوں نے اپنی باہمت اور مضبوط سی بیٹی کی پیشانی چوم لی۔

ولید کی شادی کے لیے کیا کیا پروگرام بنائے گئے تھے۔ کتنے ارمان تھے انھیں۔ پر حوریہ والے معاملے کی وجہ سے بارات سادگی سے گئی اور صدف رخصت ہو کر چلی آئی۔

صدف کو سسرال آئے ڈیڑھ دو گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اس کے پپا' مما' بڑے تایا اور تائی چلے آئے۔ حوریہ بھابھی کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ سب اور صفورا بیگم' ولید کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھے۔ جانے کیا بات تھی۔ حوریہ کا دل نئے سرے سے گھبرانے لگا۔ ان سب لوگوں کو کمرہ بند کیے اندر بیٹھے کافی دیر ہو گئی تھی۔

تیمور بھی شاید اندر تھا۔ کافی دیر سے اس کی شکل نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آئی کہ شاید کسی سے اس کمرہ بند اجلاس کے بارے میں معلومات مل سکے۔

خاصی دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک ایک کر کے سب باہر نکلے۔ صدف بھابھی کے تایا اور تائی پریشان کھڑی حوریہ کے پاس آئے۔ پیچھے پیچھے صفورا بیگم' ولید اور تیمور بھی تھے۔

"مبارک ہو بہن آپ کو' میری کوشش ہو گی کہ ساری زندگی آپ کا مان سلامت رہے۔ میری مالک سے بھی یہی دعا ہو گی۔ اب حوریہ آپ کی نہیں' ہماری بیٹی ہے۔" صدف بھابھی کی تائی نگینہ نے حوریہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

ریاست صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہزار ہزار کے کئی نوٹ حوریہ کی ہتھیلی پہ رکھ دیے۔ وہ بے چاری حیران نگاہوں سے بھائیوں اور ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میری بہنا شرما لو گیا اکیسویں صدی کی لڑکیوں کی طرح آنکھیں پھاڑ رہی ہو۔" تیمور سب سے آگے ہونے پہ اس کے کان میں بولا۔

وہ دونوں بھائی اسے شریر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ صفورا بیگم بھی بے پناہ خوش تھیں۔

"کل تمہاری شادی ہے۔ پروگرام کے مطابق آج اسی خوشی میں رت جگا ہو گا۔ کیوں ولید صاحب!" تیمور نے اس سے تائید چاہی۔

"ہاں کیوں نہیں مگر کام بھی بہت سارے ہیں۔ دعا کرو سب کچھ عزت کے ساتھ ہو جائے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" تیمور صدق دل سے بولا۔

حوریہ کی کزنز اسے اندر لے گئیں۔ پھر سارے سوالوں کے جواب صفورا بیگم کے ذریعے مل گئے۔ اس کی شادی صدف بھابھی کے کزن عثمان سے ہو رہی تھی۔ عثمان کے نام پہ اسے سب کچھ یاد آ گیا۔

ولید کے لیے صفورا بیگم لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ تب اس نے خود ہی اپنے دوست فراز کی بہن صدف کا ذکر کر دیا۔ زمان صاحب لڑکی والوں سے ملے۔ بہت اچھا معزز اور سلجھا ہوا گھرانہ تھا۔

ولید اور صدف کی منگنی کے بجائے براہ راست نکاح کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں گھرانوں میں میل جول بڑھا تو آنے جانے کے راستے بھی ہموار ہو گئے۔ ولید کے نکاح کا فنکشن اچھا خاصا پر رونق بن گیا تھا۔ حوریہ دلہن بنی صدف کے پاس چلی گئی جو اندر کمرے میں تھی۔ اس کے پاس ایک اسمارٹ اور خوش شکل سا لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دروازے پہ ہی رک گئی۔ صدف نے آواز دے کر اسے بلایا۔

"آؤ نا' رک کیوں گئیں۔ یہ میرا کزن عثمان ہے۔" لگے ہاتھوں اس نے تعارف کا فریضہ بھی انجام دے ڈالا۔ کزن موصوف نے بڑی گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا جس پہ اسے الجھن سی ہونے لگی۔ اس نے شکر کیا جب صدف کو نکاح کے بعد ہال میں لے جایا گیا' تب اس ڈھیٹ شخص کی نگاہیں مسلسل اس کا پیچھا کرتی رہی تھیں۔ اس کی کزنز بھی بھانپ گئیں کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ آخر ایک اچھا بھلا اسمارٹ برسرروزگار نوجوان اس میں دلچسپی لے رہا تھا اور اس نے بالکل بھی اس دلچسپی کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گھر آ کر بھی وہ حسینہ اسے چھیڑتی رہی۔

تین چار دن بعد صدف بھابھی کا فون آ گیا۔ رسمی دعا سلام کے بعد وہ اصل گفتگو کی طرف آئی۔

"اے محترما میرے اچھے بھلے کزن کو کیا کر دیا ہے؟ کہیں چین ہی نہیں ہے اسے۔"

"جی کیا مطلب۔" وہ ابھی پر تصور کے پردے پہ وہ شریر سی آنکھیں ابھر آئیں جن کا شوخ سا پیغام بڑا واضح تھا۔

"مطلب اس وقت سمجھ آئے گا جب تایا اور تائی جان تمہیں ہمیشہ کے لیے مانگنے آئیں گے۔" صدف شرارت سے مسکرائی تھی۔

عثمان ممّا پیا دونوں بڑے بیٹے اور بہو کے پاس سڈنی گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی ڈیڑھ دو ماہ بعد متوقع تھی۔ عثمان کو ایک ایک روز گزرنا محال لگ رہا تھا۔ گھنی پلکوں اور نشیلی آنکھوں والی یہ لڑکی اسے اپنے آپ سے بھی چرا لے گئی تھی۔ صرف چند لمحوں کا کھیل تھا اور اس کا دل اپنے اختیار میں نہ رہا تھا۔ مما' پپا کی واپسی تک انتظار تو کرنا تھا۔

ادھر حوریہ کے لیے چند روز بعد ہی مصطفیٰ کا رشتہ آ گیا۔ انہوں نے اتنی بے تابی اور روادار فتگی دکھائی کہ زمان صاحب کو ہاں کرتے ہی بنی۔ عثمان کے والدین کے لوٹنے سے پہلے ہی حوریہ مصطفیٰ کے نام کی انگوٹھی پہن چکی تھی۔ عثمان کے خوابوں کا تاج محل زمین بوس ہو گیا۔ گھر والوں نے کئی اور لڑکیوں کے نام لیے' پر اس کا ایک ہی جواب تھا۔

"فی الحال میں ذہنی طور پہ اس کے لیے تیار نہیں۔" صرف صدف اس کے دلی کرب سے آگاہ تھی پر وہ بھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔

یہ قسمت کی کرنی تھی' حوریہ کا نصیب تھا کہ عثمان کی خوش قسمتی کہ عین وقت پہ مصطفیٰ غائب ہو گیا۔ تب ہی ریاست صاحب اور نگینہ خاتون نے خاندان والوں کے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ حوریہ کے لیے عثمان کا رشتہ ڈالا جائے اور ولید کے ولیمے کے روز اس کی آرزو پوری کر دی جائے۔

جب انہوں نے اس ارادے کا اظہار صفورا بیگم اور حوریہ کے بھائیوں سے کیا تو مارے تشکر اور خوشی کے کتنی دیر ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ کیسے فرشتہ صفت تھے یہ لوگ کہ عین وقت پہ ان کی عزت کا بھرم رکھ لیا تھا۔ انھیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسی وقت مٹھائی کھلا کر بات پکی کی گئی۔

لڑکے والوں کے پاس وقت کم تھا' ہال کی بکنگ کروانی تھی۔ حوریہ کے لیے شادی اور ولیمہ کا سوٹ لینا تھا۔ رشتہ داروں کو خود جا کر دعوت دینی تھی۔ ویسے بھی صدف اور ولید کے ولیمہ پہ وہ سب آ ہی تو رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

صبح سے عثمان کے گھر ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بارہ بجے کے قریب بیوٹیک سے حوریہ کے لیے شادی کا جوڑا آیا۔ چونکہ ناپ دے کر تو نہیں سلوایا تھا' اس لیے از سر نو اس میں حوریہ کے لحاظ سے تبدیلیاں کی گئیں اور یہ کام چھوٹی پھوپھو کے سپرد کیا گیا۔

ظاہر ہے عثمان کے پاس شادی کی شاپنگ کا وقت ہی کہاں تھا' سو اس نے وارڈروب سے تو ہیں نکالا جو نیا ہی تھا۔ فی الوقت اسی سے کام چلایا گیا۔

چار بجے کے قریب عثمان کی بارات شادی ہال میں پہنچی۔ حوریہ ابھی تک پارلر سے نہیں آئی تھی کیونکہ اس کا سوٹ کافی دیر سے بھجوایا گیا تھا۔ مہندی تو رات ہی میں اس کی کزن نے لگا دی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کی تو کمر ہی اکڑ گئی تھی۔ صبح جھنجوڑ جھنجوڑ کر جب اسے جگایا گیا تو اس کا بالکل بھی اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن صدف بھابھی اور ولید بھائی کے ساتھ ناشتہ کرنا بھی لازمی تھا۔ یہاں الٹا حساب ہو گیا تھا۔

صدف اور ولید کافی دیر سے بیدار ہو کر حوریہ کے انتظار میں تھے۔ مہندی اتارنے کے بعد اس نے منہ ہاتھ دھویا تو یکدم باتھ روم کا دروازہ تواتر سے بجنے لگا۔

"اب نکل بھی آؤ' صدف بھابھی نے پارلر بھی جانا ہے۔" یہ اس کی خالہ زاد مومنہ تھی۔

صدف کے گھر والوں نے کافی پرتکلف ناشتہ بھجوایا تھا۔ پہلا نوالہ ولید نے توڑا اور حوریہ کے منہ میں ڈالا تو آنسوؤں کی نمی اس کے گلے تک اتر گئی۔

"معافی تو میں مانگوں گا۔" اس کا سرخ ہوتا چہرا بتا رہا تھا کہ اب رونے کا ایک بڑا طویل پروگرام شروع ہونے والا ہے۔ ولید کی وارننگ پہ وہ روتے روتے مسکرا دی۔

باقی لوگ ناشتے کے بعد اٹھ گئے۔ وہ بھابھی کے پاس بیٹھی رہی۔

"بہت خوبصورت رنگ آیا ہے مہندی کا۔" صدف اس کے ہاتھ کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے انداز میں اجنبیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یوں لگ رہا تھا' وہ شروع سے اس گھر میں رہتی آ رہی ہے۔ ان کے دکھ درد میں شریک رہی ہے۔

"یہ دیکھو' ولید نے رونمائی کا گفٹ دیا ہے۔" صدف نے اسے گردن میں چمکتا ننھے سے دل کی شکل کا لاکٹ دکھایا۔

"بہت خوبصورت ہے۔" اس نے دل سے تعریف کی۔

اتنے میں باقی لڑکیوں کا ریلا سا اندر گھس گیا۔ صدف کی ڈھیر ساری کزنز بھی ان میں شامل تھیں۔

"دونوں دولہنیں کیا راز و نیاز کر رہی ہیں!؟" یہ صدف کی منہ پھٹ سی پھوپھو زاد مہرین تھی۔

"ارے میں نے کیا راز و نیاز کرنے ہیں۔ وہ تو عثمان کرے گا اور خوب اچھی طرح کرے گا۔ ہجر کا عذاب سہا ہے بیچارے نے۔ ایک ایک پل تڑپ کر گن گن کر گزار رہا ہو گا کل سے۔" صدف بھی ان کے ساتھ مل کے اسے چھیڑنے لگی تو حوریہ بری طرح بلش ہو گئی۔

اس دوران کسی نے بھی ساجدہ کی چبھتی ہوئی نگاہوں کو محسوس نہیں کیا۔

ولید اور صدف کے چہرے پہ بکھری آسودگی اور مسرت اسے اندر ہی اندر کوڑیالے ناگ کی طرح ڈنک مار رہی تھی۔ حالانکہ دو روز پہلے تک وہ کتنی خوش تھی۔ حوریہ کے گھر میں ماتم کا سا سماں تھا۔

اس نے خوب جشن منایا۔ اور بظاہر صغورا بیگم کو تسلی دیتی رہی۔ ان کے ساتھ روئی اور مصطفیٰ کے گھر والوں کو کوسنے بھی دیے۔

اب حوریہ شرماتے ہوئے وہاں سے اٹھی تو اس کی آنکھیں کسی زہریلی ناگن کی طرح دہکنے لگیں۔ صدف پارلر جا چکی تھی۔ حوریہ عثمان کی طرف سے عروسی جوڑا آنے پہ پارلر چلی گئی۔ صغورا بیگم نے ساجدہ کو اس کے ساتھ بھیجا۔

عثمان کی ایک کزن بھی ہمراہ تھی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد حوریہ تیار ہو کر آئی تو اس پہ نظریں ٹھہرنا مشکل تھا۔ ساجدہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سادہ سے حلیے والی حوریہ ہی ہے جو ہمیشہ دوپٹہ ماتھے تک اوڑھے رہتی جس کی آنکھیں کاجل سے محروم رہتیں جو کسی بھی قسم کی چمک دمک سے یکسر خالی تھی جو ناز و انداز سے کوسوں دور تھی۔ آج دولہن بن کر غضب ڈھا رہی تھی۔ اس کی شرمیلی مسکان نے پورے چہرے کو منور کر دیا تھا۔

ہال کے ساتھ بنے چھوٹے سے کمرے میں حوریہ اس وقت شریر لڑکیوں کے گھیرے میں تھی۔

"عثمان کافی ضدی بھی ہے۔ اگر ضد میں آیا تو تمہاری خیریت نیک مطلوب نہیں ہے کیونکہ اس پہ مرنے والی سب لڑکیوں کی مشترکہ رائے ہے کہ موصوف کسی ریسلر سے کم نہیں ہیں۔" مہرین نے اسے ڈرایا۔

ساجدہ بھی وہیں تھی۔ غم و غصے سے اس کے اندر بھونچال سا آ گیا۔

"بارات آ گئی... بارات آ گئی۔" باہر ہال سے شور کی آوازیں آ رہی تھی۔ پل بھر میں سب لڑکیاں سوائے ساجدہ کے حوریہ کے پاس سے غائب ہو گئیں۔

اچانک اس نے حوریہ کے پاس بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔

"کیا ہوا ہے بھابھی!" حوریہ احتراماً اسے ہمیشہ بھابھی کہہ کر پکارتی۔

اس وقت بھی پریشان ہو گئی اور اس کے پوچھنے کی دیر تھی۔ ساجدہ کے رونے میں اور بھی شدت آ گئی۔ حوریہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو ساجدہ نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"کیا قسمت ہے تمہاری حوریہ!" اس کی آنسو بھری آنکھوں میں ریا کا ذرہ برابر بھی نشان نہ تھا۔

"کیا بات ہے بھابھی! خدا کے لیے مجھے بتا دیں' ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔" بے حد پریشان ہو گئی۔

"میں تمہیں بتانا تو نہیں چاہتی' پر کیا کروں۔ رہا بھی نہیں جاتا۔"

"بتائیے نا بھابھی کیا بات ہے!؟" اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"اصل میں حوریہ بات یہ ہے کہ عثمان اپنے خاندان کی عزت اور باپ کے کہنے پہ تم سے شادی کر رہا ہے' ورنہ یہ جو سب کہہ رہے ہیں نا کہ اس نے تمہاری محبت میں یہ سب کیا ہے' بالکل جھوٹ اور فریب ہے۔ مجھے خود حامد نے بتایا ہے کیونکہ کسی دوست کے تھرو وہ عثمان کو پہلے سے جانتے ہیں اور اس کی زندگی سے بھی واقف ہیں جیسی وہ گزارتا آیا ہے۔ پرلے درجے کا عیاش اور لڑکیوں کا شوقین ہے۔" حوریہ کا سر ڈھال سے انداز میں جھک گیا۔

اس نے تو سوچا تھا کہ اندھیرے چھٹ گئے ہیں' پر کیا خبر تھی کہ... ساجدہ اس دوران باہر کا جائزہ بھی لیتی رہی تھی۔

"اب آگے کی سوچو جو ہوا سو ہوا۔"

"بھابھی! میں کیا کروں' میری تو عقل ہی سلب ہو گئی ہے۔ دل چاہ رہا ہے ابھی اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں۔"

"نہ نہ' ایسا سوچنا بھی مت۔ آنٹی کا تو ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ وہ پہلے ہی بیمار ہیں۔ خدا خدا کر کے ان کی حالت سنبھلی ہے۔"

"میں کہاں جاؤں میرے اللہ!" شفاف موتی ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے ڈھلک آئے۔

"اپنے آپ کو اس عیاش اور بدکردار شوہر سے بچا کر رکھو جس طرح بھی ہو سکے۔ عورت کی ویلیو اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ ان چھوئی ہو۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔ اب یہ تمہاری سمجھ داری کا امتحان ہو گا کہ تم کس طرح خود کو اس سے بچاتی ہو۔ اوپر والے نے تمہارے نصیب میں اس سے اچھا ہی لکھا ہو گا' اس سے جان چھڑانے پہ ایک دم نہیں' آہستہ آہستہ پلان بنا کر۔ تمہیں کیا پتہ کہ شاید کوئی اور بھی تمہیں چاہتا ہو۔"

"کون؟" وہ بے ساختہ بولی۔

"مصطفیٰ۔" ساجدہ نے بڑے آرام سے کہا۔

"وہ اس وقت سخت مجبوری کے عالم میں روپوش ہوا ہے۔ کوئی ایسی بات ہے جو وہ تمہیں بتا بھی نہیں سکتا' اس لیے تو یہ سب ہوا ہے۔"

"مگر آپ کو کیسے پتہ؟" وہ رونا بھول گئی۔

"آج اس کا فون آیا تھا۔ تمہیں کیا خبر تمہارے دولہن بننے کی خبر سن کر اس کے دل پہ آرے چل گئے ہیں' تڑپ رہا ہے وہ۔ تنہائی اور بے بسی کے عالم میں۔ ادھر تم ایک عیاش مرد کی سیج سجانے جا رہی ہو' ادھر وہ پل پل مر رہا ہے۔" ساجدہ کا انداز پُر تاثر تھا۔

"مگر وہ مجھے بتا بھی تو سکتا تھا۔"

"کہا نا' اس میں کوئی راز ہے۔ جب اس مشکل سے اس کی جان چھوٹے گی تو وہ تمہیں خود سب بتائے گا۔ فی الحال مجھے بھی نہیں پتہ کہ کیا ہے؟ پر جو بھی ہے' بہت ہولناک ہے جو وہ روپوشی پہ مجبور ہوا ہے۔ پولیس والوں کے سو جن اور سو دشمن ہوتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے' کسی قاتل سے خوار کر دیا ہے اس پہ۔" ساجدہ نے اتنے دل دوز انداز میں اس کی حالت کا نقشہ کھینچا کہ حوریہ کا دل ڈانواں ڈول ہونے لگا۔

"میں ذرا باہر سے ہو کے آتی ہوں' تب تک تم اچھی طرح سوچ لو کہ عثمان سے کس طرح اپنے آپ کو بچانا ہے۔" حوریہ نے تھک ہار کر صوفے کی بیک سے ٹیک لگا لی۔

ساجدہ وہاں سے اٹھ کر دولہا بنے عثمان کے پاس پہنچ گئی جو شریر لڑکیوں کے گھیرے میں تھا۔ دودھ پلائی کی رسم چل رہی تھی۔ ساتھ ہی ولید تھا۔ وہ بھی سب میں گھل مل گئی۔

رسموں سے فارغ ہونے کے بعد عثمان اسٹیج پر پڑے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ جہاں اس کے ساتھ صدف اور ولید بھی تھے۔ لڑکیاں حوریہ کو لینے چلی گئیں۔

"ہائیں یہ تمہارے چہرے پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں اتنی ہراساں کیوں ہو رات آنے میں ابھی کچھ گھنٹے باقی ہیں۔" مہرین نے اس کی ٹھوڑی چھو کر سرخ ہوتی آنکھوں میں جھانکا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"خوفزدہ ہو؟"

"نہیں تو۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے' فی الحال اٹھو۔" مہرین اور ایک دوسری لڑکی نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔

سج سج کر چلتی وہ باہر آ گئی۔ جب وہ بیٹھ گئی تو مہرین نے اس کا دوپٹہ ٹھیک کیا۔ ساجدہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ حوریہ کے بیٹھنے کے بعد عثمان نے بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیا جس پہ آس پاس سے معنی خیز ہنسی کی آوازیں آنے لگیں مگر وہ عثمان ہی کیا جو پیچھے ہٹ جاتا۔ اس نے کمال جرأت سے اپنا مضبوط ہاتھ ایک لمحے کے لیے حوریہ کے نرم و نازک ہاتھ پہ رکھا تو اوئے اوئے کی گردان شروع ہو گئی۔

"بابا بیوی ہے میری' نکاح ہوا ہے ہمارا ابھی کچھ گھنٹے پہلے۔" وہ شوخ ہو رہا تھا۔

پارلر جانے سے پہلے ہی نکاح ہو چکا تھا۔ عثمان ہنس ہنس کر سب کے شریر فقروں کا جواب دے رہا تھا۔

حوریہ آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت سی ایک جگہ بیٹھی تھی۔

ساجدہ کی نظر اسٹیج پہ ہی فوکس تھی۔ اور سب کی طرف سے وہ مایوس ہوئی تھی۔ پر جانے کیوں اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ حوریہ اسے مایوس نہیں کرے گی۔ عثمان کی وارفتہ نگاہیں بزبانِ خاموشی دل میں چھپے چاہت کے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔ یہ سیل رواں رکنے والا نہیں لگ رہا تھا۔

رخصتی سے کچھ دیر پہلے ہی آسمان کالے سیاہ بادلوں سے بھر گیا۔ تقریباً تمام لڑکیوں نے ہی ہاف سلیوز والی شرٹس پہنی تھیں سردی سے بچنا مشکل تھا۔ لہٰذا ایک ایک کر کے سب گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔ صدف اور ولید' صغورا بیگم کے ساتھ گئے جب کہ تیمور رخصتی کے وقت حوریہ کے ساتھ تھا۔

دونوں ایک گاڑی میں تھے۔ اس کا ایک بازو حوریہ کے

کاندھے پر تھا جو رو رو کر بے حال ہوئی جارہی تھی۔ سالے کی موجودگی کے باعث عثمان خاموش تھا۔ ادھر بادل زوردار آواز میں گرج رہے تھے۔ اوائل نومبر کی ہواؤں میں سرکشی آگئی تھی۔ بارش کی بوندیں سڑکوں پہ جلترنگ بجانے لگی تھیں۔

"حوریہ! اب بس بھی کرو۔ میں اس سیلاب میں بہہ جاؤں گا۔" تیمور کا اشارہ اس کے آنسوؤں کی طرف تھا۔

جانے کون کون سی رسمیں ہوئی تھیں مگر اسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا اگر خبر تھی تو یہ کہ اس کے حوصلوں کی دیوار لب کرنے کو ہے۔ ناشتے کے بعد سے لے کے اب تک اس نے کچھ نہیں کھایا تھا سب کے اصرار پہ بمشکل چند نوالے حلق سے زبردستی اتارے۔ ساجدہ نے کن جلتے شعلوں میں اسے دھکیل دیا تھا۔

وہ کیسے اپنے ساتھ ہونے والے سانحے کے بارے میں سب کو بتائے۔ امی جو اسے بیاہ کر بے پناہ خوش تھیں۔ بھائی جو ذمہ داری نبھا کر مطمئن تھے۔ وہ کیسے ان کے اطمینان کو تہ و بالا کرتی۔ اگر وہ کوئی خوش کن خواب دیکھ رہے تھے تو کیا وہ انہیں جگا کر حقیقت کی تلخ دنیا میں لے آتی؟ شاید نہیں کیونکہ اس کا خمیر خود غرضی سے نہیں اٹھا تھا۔

پھولوں سے مہکتے کمرے میں وہ اکیلی تھی۔ کچھ دیر قبل سب نے اس کی جان چھوڑ دی تھی۔ گلاس ونڈو سے باہر بارش کی قیامت خیزی صاف نظر آرہی تھی۔ موتیوں کے شفاف قطرے شیشے سے پھسل رہے تھے پردہ جہاں تک ہٹا ہوا تھا وہاں تک باہر کا منظر نظر آرہا تھا۔

"کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے پسندیدہ موسم سے جی بھر کر لطف اندوز ہوتی۔ اسے بارش بہت پسند تھی۔ شادی سے پہلے تک وہ بڑی فرصت سے بیٹھ کر بوندوں کی جادو گری دیکھتی ولید تو اس کے اس استغراق اور محویت پہ ہنستا جو بارش کو دیکھتے ہی اس پہ طاری ہو جاتی۔

خوبصورتی سے سجا ہوا کمرہ عثمان کی خوش ذوقی کا آئینہ دار تھا اس نے جونہی پاؤں بیڈ سے اتارے دروازے پہ آہٹ سی ہوئی۔ بھاری گلوبند اور جھمکے اتار کر اس نے ابھی ابھی رکھے تھے۔ وہ اس بھاری اور بوجھل سوٹ سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ مہرین بتا گئی تھی کہ اس کے دوسرے کپڑے ڈریسنگ روم میں ہیں وہ اسی طرف جانا چاہتی تھی کہ ہر قدموں کی آہٹ پہ بت سی بن گئی۔

"السلام علیکم۔" عثمان کی خوشی سے بھرپور آواز جب اس کے کان کے قریب گونجی تو اس نے سر کو قدرے جھکا لیا۔

"بڑی ایمرجنسی میں دولہا بنا ہوں اوپر سے بارش نے سب کچھ چوپٹ کر دیا۔ میں کپڑے بدل کر فریش ہو کر آتا ہوں پھر آپ سے بات کرتا ہوں۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے کوٹ اتارا اور ایک بھرپور نگاہ حوریہ پہ ڈالی۔ اس کے باہر آنے تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ ایک دل کش مہک عثمان کے ساتھ ساتھ اس کے پاس آگئی۔

"آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ مما اور مہرین بتا رہی تھیں۔ ایسا کریں یہ دودھ کا گلاس پی لیں۔ پہلے ہی اتنی دھان پان سی ہیں۔ میں ابھی سب کے ساتھ کھانا کھا کے آرہا ہوں۔ خود کو دیکھیں اور میری صحت دیکھیں۔" وہ تکیہ پیچھے رکھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

حوریہ کی نگاہ بے اختیار اس کی طرف اٹھی۔ اس کا کسرتی جسم سفید شرٹ میں سے بھی بخوبی اپنی مضبوطی ظاہر کر رہا تھا۔

"سوری، مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ نظر چرا گئی۔

"مگر مجھے تو ان آنکھوں، اس چہرے اور ایک ایک نقش کی دید کی پیاس تھی۔"

وہ اپنا سر اس کی گود میں رکھ کر لیٹ گیا۔

"کبھی خواہش تھی ان آنکھوں میں اپنے نام کا عکس دیکھوں۔" وہ حوریہ کی پلکوں پہ اپنی انگلی رکھتے ہوئے بولا تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"جیولری کیوں اتار دی ہے۔" عثمان کا ہاتھ اس کی گردن پہ تھا۔

حوریہ نے جو چولی پہنی تھی اس کا گلا کافی گہرا تھا اب تک گلوبند پہنے رکھا تھا تب تک احساس نہیں ہوا تھا اب جب وہ اسے آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے اٹھ کے بھاگ جائے۔ "تمہاری گردن بڑی خوبصورت ہے اس کی نذر یہ حقیر سا نذرانہ۔" اسی پوزیشن میں نیم دراز عثمان نے ڈائمنڈ جڑا لاکٹ نکالا اور اب اسے پہنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران حوریہ کا چہرہ عثمان کی طرف جھک آیا۔ ایک قیامت کا منظر تھا اسے۔ لاکٹ بند کرتے کرتے وہ قدرے اس کے نزدیک ہوا اور ایک شوخ سی جسارت کی۔ اپنی جسارت پہ کتنا بڑا مطمئن لگ رہا تھا۔ حوریہ تڑپ کر تھوڑا دور ہوئی۔

ہاتھ پکڑ چکا تھا۔

"اب تو میرے پاس آگئی ہو خدا گواہ ہے میری خواہش تھی کہ کسی رم جھم برستی رات میں تم میرے ساتھ ہو۔ سب سے دور اور مجھ سے قریب، بہت قریب اور دیکھو اس پُرسحر رات میں تم میرے پاس ہو۔" وہ اس کی ہتھیلی اپنے ہونٹوں پہ رکھ چکا تھا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"اچھا چینج کر لو، تمہارا نائٹ ڈریس باتھ روم میں لٹکا ہوا ہے۔" خلافِ توقع اس نے آرام سے حوریہ کے ہاتھ چھوڑ دیے تو ایک ثانیے کو اسے یقین ہی نہیں آیا۔

صبح سے تھکی ہاری تھی سو گرم پانی سے شاور لینے کے بعد طبیعت قدرے فریش ہو گئی۔ سامنے ہی بے بی پنک کلر کی انتہائی نفیس اور باریک ریشمیں نائٹی لٹکی ہوئی تھی۔ یہ نائٹ ڈریس پہن کر وہ عثمان کے پاس یا سامنے جانے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا ایک سادہ سا ہلکا پھلکا کاٹن کا سوٹ پہن لیا۔ جو عثمان کی چھوٹی خالہ نے ایمرجنسی میں سیا تھا۔

اس نے جان بوجھ کر شاور لینے میں دیر لگائی پر باہر تو جانا ہی تھا کب تک باتھ روم میں رہتی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلنے پہ روشنی کی لکیر باہر آئی تو عثمان نے آنکھوں پہ رکھا بازو ہٹا لیا۔ نائٹ بلب جل رہا تھا۔ کمرے میں بڑا خوابناک سا مدھم مدھم اجالا تھا۔

نائٹی کے بجائے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس گیلے بالوں کو دوپٹے سے چھپائے وہ بے حد متفکر اور ہراساں نظر آرہی تھی۔ عثمان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی کپڑوں کی الماری کی طرف گئی۔ الماری کھول کے جائے نماز نکال کر بچھائی اور نماز کی نیت باندھ لی کچھ دیر کے لیے اس کا دل پُرسکون ہو چکا تھا۔ پورے خلوص اور حسیات و توجہ رکھ کر دعا کرتے ہوئے بار بار اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ عثمان اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

دعا مانگنے کے بعد بھی وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ عثمان بے چین ہونے لگا تھا۔

یکدم بادل بڑی زور سے گرجے۔ وہ ڈر کے مارے اچھل ہی تو پڑی۔ پھر مصلے کو چیئر پہ رکھتے ہوئے وہ سیدھی بیڈ کے کنارے پہ آکے بیٹھ گئی۔

"حوریہ لیٹ جاؤ تھکی ہوئی اور ڈسٹرب لگ رہی ہو۔" عثمان نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ کھسک کر ذرا دور ہوئی۔ "پلیز سو جاؤ میں خود تھکا ہوا ہوں، سونا چاہتا ہوں۔" پھر سچ مچ وہ جہازی سائز بیڈ کے دوسری طرف منہ کرکے لیٹ گیا۔

بڑی دیر بعد حوریہ کو اس کے الفاظ کا یقین آیا تو وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"ہم کس منہ سے حوریہ کے گھر والوں کا سامنا کریں گے۔" امینہ بہت شرمسار نظر آرہی تھیں۔ یہی حال ان کے شوہر کا تھا۔ "مصطفیٰ نے ہمیں کہیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ حالانکہ یہ رشتہ اس کی اپنی پسند پہ ہوا تھا تب بھی اس نے کیسی جلدی مچائی تھی اب ہم ان شریف لوگوں سے کیا کہیں گے ہمیں کس طرح معافی مانگنے جاؤں؟ یہ بات مجھے اور بھی ہرٹ کر رہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمیں برا بھلا تک نہیں کہا کچھ کہہ دیتے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا۔" یہ مصطفیٰ کے والد تھے۔

"یاد آیا ان کے پڑوس میں جو پیاری سی لڑکی ساجدہ رہتی ہے اس نے فون کیا تو بتایا کہ حوریہ کی تو شادی بھی ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے میرا احساسِ جرم کچھ کم ہوا ہے۔" امینہ بیگم نے یہ نئی بات بتائی تھی۔

ثناء اور زارا کو بھی بھائی کے اس اقدام سے بہت دکھ پہنچا تھا اسی وجہ سے ثناء اور سلیمان کی منگنی کا پروگرام بھی التواء کا شکار ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ کسی کو کچھ بتائے بغیر جانے کہاں چلا گیا تھا۔ سلیمان کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوست ایسا کر سکتا ہے۔

اور وہ یہاں سب کو پریشانی کے حوالے کر کے خود لاہور میں بیٹھا تھا۔ اسے پتہ تھا اس کے انکار پہ کیسا ہنگامہ ہو گا۔ اس لیے وہ یہاں آگیا تھا۔

اس کا فون آیا تو امینہ بیگم کی جان میں جان آئی۔ کچھ بھی سہی مصطفیٰ ان کا لاڈلا اکلوتا بیٹا تھا جو کچھ بھی کیا تھا وقتی طور پر برا لگا تھا پھر وہ ایک لڑکی کی خاطر ہمیشہ کے لیے اسے قطع تعلق تو نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے شوہر کو بھی رام کر ہی لیا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کے میکے سے اس کی کزنز ناشتہ لے کر آئی تھیں۔ اس کی امی دس پندرہ منٹ کے بعد تیمور کے ساتھ چلی گئیں کیونکہ صدف نے رسم کے مطابق آج میکے آنا تھا

پھر حوریہ اور عثمان کا ولیمہ بھی تھا' انہیں اپنے کام بھی نمٹانے تھے۔ حوریہ سے ملنے کے بعد مقورا بیگم مطمئن تھیں۔

ساجدہ بھی حوریہ کی کزنز کے ساتھ آئی تھی۔ ان سب کے دھاوا بولنے سے پہلے ہی عثمان اٹھ چکا تھا۔ حوریہ بعد میں بیدار ہوئی پھر بھی اس کی آنکھیں سرخ سرخ سی تھیں سر میں الگ درد ہو رہا تھا۔ ساجدہ نے بڑی گہری نگاہ سے اسے دیکھا کہ شاید رات کی کوئی تحریر نظر آجائے مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور وہ ان سب کی فقرہ بازی سے جبراً" مسکرا رہی تھی۔

عثمان بہت مسرور سا فریش لگ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پہ خوشیوں کا عکس جھلملاتا محسوس کیا جا سکتا تھا۔ حسد کی ایک لہر ساجدہ کو شرابور کر گئی۔ اس کا خیال تھا کہ حوریہ نے اس کی باتوں پہ کان نہیں دھرے تھے۔

ناشتے کے بعد برتن اٹھا لیے گئے تو عثمان ان سب کی طرف متوجہ ہوا۔

"حوریہ! آپ آرام کریں ہم سب باہر جا رہے ہیں۔ آپ پلیز میرے ساتھ آیئے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں انہیں نیند پوری کرنے دیں۔" وہ لڑکیوں سے بیک وقت مخاطب تھا۔

"اوہو ایک ہی رات میں اتنی فکر۔" کسی نے شرارت سے کہا تھا۔

فکر کیوں نہ ہو میری شریکِ حیات ہیں۔" اس کے اس طرح کہنے پہ ساجدہ نے اسے بڑی عجیب نگاہ سے دیکھا۔

حوریہ کو واقعی نیند آرہی تھی۔ سر بھی الگ محسوس ہو رہی تھی کیونکہ آسمان ابھی تک بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ عثمان کے اس رویے کے بارے میں سوچنے کے لیے فی الحال اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ کمبل سر سے پاؤں تک تان کے وہ دوبارہ لیٹ گئی۔

ولیمہ رات کو تھا۔ صدف نے شام کو آنا تھا۔

عثمان کافی دیر چنچل لڑکیوں کے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ ساجدہ نے کرید کرید کر اس سے اس کی تعلیم' دوستوں' خاندان' پسند و ناپسند کے بارے میں پوچھا۔ پہلی بار ہی اس لڑکی کی اس قدر بے تکلفی اسے بالکل نہیں بھائی پھر اس کی شخصیت میں جو ایک عجیب سی سرکشی و بے باکی تھی اس نے بھی عثمان کو خاصا حیران کیا۔

"حوریہ کا بہت زیادہ خیال رکھیے گا کیونکہ پہلی محبت کو بھلانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔" واپس جاتے جاتے جب زنیرا اور ثومیہ گاڑی میں بیٹھ گئیں تو وہ آہستگی سے بولی۔ قصداً سب سے پیچھے تھی۔ اس کا یہ نصیحت آمیز مشورہ صرف عثمان نے ہی سنا تھا۔ ساجدہ نے بات کر دیا تھا۔ عثمان الجھ کر رہ گیا۔

یہ تو اسے پتہ تھا کہ حوریہ کی منگنی لڑکے والوں کی خالصتاً" پسند پہ ہوئی تھی اور لڑکے کی طرف سے بہت جلدی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ صدف نے اسے ایک بار بتائی تھی۔

اب وہ دوسرے رخ سے بھی سوچ رہا تھا۔ حوریہ اپنے منگیتر کو چاہتی ہوگی بے شک منگنی کم عرصہ رہی لڑکیاں بہت جلدی خوابوں کے محل تعمیر کر لیتی ہیں۔

"شاید رات کو یہ اس لیے رو رہی تھی کہ اس کے خوابوں کی جگہ میں کہاں سے آگیا ہوں۔ نماز پڑھنے میں بھی دیر لگی پھر برستی آنکھوں سے دعا مانگی جب میں نے کہا سو جاؤ تو فوراً" اطمینان کی سانس لی یہ مزے سے سو گئی اس نے خواب تو اپنے منگیتر کے حوالے سے دیکھے ہوں گے اس کی جگہ مجھے دیکھ کر غمیں تو لگنا ہی چاہیے تھی۔

حالانکہ میں نے کتنی دعاؤں کے بعد اسے پایا ہے اسے میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے ان کے خاندان کی عزت رکھ لی ہے۔ اور شاید اس نے بھی خاندان کی میں اگر بھائیوں کی عزت رکھنے کے لیے مجھ سے شادی کا کڑوا گھونٹ پی لیا ہے۔ کتنی منافق ہوتی ہیں یہ لڑکیاں دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ اور۔ میں نے حوریہ سے محبت ضرور کی ہے۔ پر اپنی انا اور مردانگی کا سودا نہیں کیا ہے یہ میرے ساتھ خوش نہیں تو میں بھی زبردستی نہیں کروں گا۔"

وہ خود سے مضبوط عہد کر چکا تھا۔ ساجدہ کے ان جملے نے کیسی قیامت ڈھائی تھی کہ عثمان کے ارمانوں بھرے دل کو کرچی کرچی کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کل سے بڑھ کے آج حسین لگ رہی تھی۔ نے ہر ہر زاویے سے اس کی ڈھیروں تصویریں بنائیں صدف بھی میکے آنے کے بعد پھر حوریہ کے ساتھ اکٹھے آئی تھی۔ کھانے کا اعلان ہوا تو حوریہ کے صرف چند ہی لڑکیاں رہ گئیں۔ صدف اور حوریہ

کھانا ادھر ہی بھجوا دیا گیا۔

"حوریہ! یہ تمہاری پڑوسن ساجدہ مجھے عجیب سی لگی ہے۔" صدف پلیٹ میں بریانی ڈالتے ہوئے بولی۔

"کیوں بھابھی! ساجدہ بھابھی تو بہت اچھی ہیں۔ ابو کی وفات پہ انہوں نے جس طرح امی کا خیال رکھا اور پورے گھر کو سنبھالا وہ قابل تعریف ہے پھر میری اور ولید بھائی کی شادی کے سو بکھیڑے تھے انہوں نے احسن طریقے سے ذمہ داری نبھائی ہے۔" حوریہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

"اچھا' ولید بتا رہا تھا کہ اس کا شوہر عمر میں اسے کافی بڑا ہے۔"

حوریہ کے تیور دیکھ کر صدف بات بدل گئی۔ شروع میں ہی سسرال سے تعلقات میں بگاڑ آنے سے وہ ڈرتی تھی۔ شادی کو گنے چنے دن ہوئے تھے پھر ساجدہ نام کی اس لڑکی کی نگاہیں تیور اور بات کرنے کا انداز بڑا مختلف سا تھا۔ خاص طور پہ اس کی نظریں جن سے صدف نے حسد جھلکتا محسوس کرلیا تھا۔

ایک دن جب وہ اور ولید اکٹھے بیٹھے تھے اور اس کی ساس نے ناشتہ ساجدہ کے ہاتھ بھجوایا تو ولید کا دل شرارت پہ آمادہ تھا۔ وہ دروازہ ناک کیے بغیر اندر آئی تھی' دونوں خاصے قریب تھے صدف کو بہت غصہ آیا۔ اس نے شکوہ کناں ناراض نگاہیں اٹھائیں تو حیرت انگیز منظر دیکھا۔

ساجدہ' ولید کی طرف جن نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ان میں شعلوں کی لپک محسوس ہو رہی تھی۔ صدف کو اس کی غصے و حسد سے ابلتی نظریں بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔

آج حوریہ کا دفاعی انداز دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ ساجدہ کا اس کے سسرال میں کافی عمل دخل ہے۔ اس نے بھی مزید بات نہ کی اور خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

ولیمے کے فنکشن سے واپس آنے کے بعد سب ہی تھک چکے تھے۔ عثمان کا دل کافی پینے کو چاہ رہا تھا۔ سب ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔ مہرن کچن میں آگئی کیونکہ عثمان کے ساتھ ساتھ اور سب بھی کافی مانگ رہے تھے۔

حوریہ بھی انہی کپڑوں میں ملبوس گھر والوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی ساس نگینہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ عثمان ان کی گود میں سر رکھ کر دراز ہو گیا وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"مما! بہت تھک گیا ہوں۔"

"بیٹا! شادی کے ہنگاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" انہوں نے عثمان کا ماتھا چوما۔ باقی سب اسے لاڈ اٹھواتے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"مما! مجھے سلادیں بہت تھک گیا ہوں۔" اس کے لہجے میں تھکن رچی ہوئی تھی۔ نگینہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"اب تمہارے ناز اٹھانے والی آگئی ہے۔ یہ نخرے اسی کو دکھاؤ۔" ان کا اشارہ حوریہ کی طرف تھا۔ وہ جو ان دونوں کو دیکھ رہی تھی ۔۔۔ نظریں چرا گئی۔

کافی پینے کے بعد مہرن اسے کمرے میں چھوڑ گئی۔ کپڑے بدلنے کے بعد ذہن و دل ذرا آرام دہ حالت میں آگئے تو وہ سوچنے کے قابل ہوئی۔

"آج تیمور' ولید' صدف بھابھی اور امی کتنی خوش لگ رہی تھیں' کیا ہوا اگر عثمان عیاش اور بدکردار ہے۔ قسمت نے اسے میری زندگی کا مالک بنا دیا ہے' بجبر مالک جو سلوک بھی روا رکھے غلام کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے میں اس کڑوے گھونٹ کو پی لوں گی۔ ایسا نہ ہو میرے رویے سے بات کھل جائے تب اگر عثمان نے بھی مجھے چھوڑ دیا تو میری ماں تو جیتے جی مر جائے گی۔ بھائی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

میں دوبارہ ان کو سب کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ ہارنا تو ازل سے عورت کے مقدر میں لکھا ہے' میرا دل تو ویسے بھی مر چکا ہے۔ عثمان اس بے روح وجود پہ ہی قبضہ جما سکے گا۔ دل تک کبھی نہ آسکے گا اسے کون سا میری پروا ہوگی۔ میں مر جاؤں گی' مٹ جاؤں گی پر بھائیوں کی عزت پہ حرف نہیں آنے دوں گی۔

یہ تو ساجدہ بھابھی کی مہربانی ہے جو انہوں نے مجھے اس راز سے آگاہ کردیا میں کوشش کروں گی کہ اس کا دل جیت سکوں تاکہ وہ اب کسی اور عورت کی طرف نہ دیکھے۔"

خود سے عہد کر رہی تھی۔

عثمان نے کمرے میں آکر شاور لینے کے بعد کپڑے بدلے۔

اب بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے حسب عادت تولیہ صوفے پہ پھینک کر حوریہ کی طرف مڑا تو جسم میں دوڑنے [illegible] اور بھی تیز ہوگئی۔

پنک کلر کی اسی نائٹی میں ملبوس حوریہ بیڈ پہ نیم دراز اسے کچھ سوچنے پہ مجبور کر رہی تھی۔

"فکر نہ کرو جب تک تمہارے دل کا حال مجھے سچ سچ پتہ نہیں چل جاتا میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ کل تم نے یہ ڈریس نہیں پہنا آج پہنا۔" کسی نے سمجھایا ہوگا تو تم نے دل پہ جبر کرکے یہ پہنا ہوگا تاکہ مجھے شک نہ ہو کہ تمہارے دل میں ابھی تک تمہارا منگیتر بسا ہوا ہے۔" اس کا دماغ اپنے انداز میں تجزیہ کر رہا تھا۔

عثمان دوسرا تکیہ اٹھا کر حوریہ سے قدرے فاصلے پہ لیٹ گیا تو اس کا دل خدشے سے بھر گیا۔

"آپ کے اپنے پڑوسیوں سے کیسے تعلقات ہیں؟" وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

اس دوران اس کی پوری کوشش تھی کہ اس کی نظر حوریہ پہ نہ ہی پڑے تو اچھا ہے۔ (کل تک تو یہ بڑا بے چین لگ رہا تھا اب پڑوسیوں کی پڑ گئی ہے)

"جی اچھے ہی تعلقات ہیں۔" وہ بڑے سبھاؤ سے بولی۔

"میرا مطلب ہے آپ کی جو پڑوسن ساجدہ ہیں ان کے ساتھ آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟" صبح صدف بھابھی نے اس حوالے سے بات کی تھی اور اب وہ اس حوالے سے پوچھ رہا تھا۔

"کہیں اسے پتہ تو نہیں چل گیا کہ ساجدہ نے اس کے کرتوتوں کے بارے میں مجھے بتا دیا ہے۔" اس نے سوچا تھا۔

"جی اچھی ہی ہیں۔ ساجدہ بھابھی بہت محبت کرنے والی ہیں۔ امی تو انہیں بہت پسند کرتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا عمل دخل بھی ہوگا آپ کے گھر میں۔"

"جی ہاں' امی کوئی بات ان سے چھپاتی نہیں ہیں' ہر معاملے میں مشورہ کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ میری شادی کی شاپنگ میں بھی ان کی رائے شامل تھی۔"

"ہوں۔" وہ پرسوچ نگاہیں غیر مرئی نکتے پر جمائے ہوئے تھا۔

"اچھا شادی کے بارے میں' نکاح کے بارے میں' آپ کی کیا رائے ہے؟"

"ظاہر ہے دو انسانوں کے مابین زندگی گزارنے کا ایک معاہدہ ہے۔" وہ اس سوال پہ الجھ گئی۔

"اور میرا خیال ہے کہ اس رشتے کی بنیاد ایمانداری اور اعتماد پہ ہونی چاہیے' دل میں کچھ اور ہو تو یہ رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے۔"

"اب یہ بھی اپنے کرتوتوں کے بارے میں بتائے گا شاید۔" سوچتے ہوئے وہ اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"یوں کریں یہ کپڑے چینج کرکے سو جائیں' فی الحال اس گھر میں آپ کو کسی قسم کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔" وہ منہ دوسری طرف گھما چکا تھا۔

اس کے سرد لہجے نے حوریہ کو بے چین کردیا۔ وہ خود کون سا یہ کپڑے پہن کر سونے کے لیے مری جارہی تھی بلکہ جتنی ہمت اور حوصلہ جمع کرکے اس نے یہ حشر سامان لباس پہنا تھا یہ اسے ہی پتا تھا۔ وہ آہستگی سے بیڈ سے اتری۔

عثمان کے سرد رویے پہ وہ پریشان سی تھی۔ کل کے مقابلے میں آج کلی طور پہ اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

پروا کو بالکل غیر متوقع طور پہ دیکھ کر تیمور کو بے پناہ خوشی ہوئی۔ وہ عرفان کے ساتھ یونیورسٹی آیا تھا۔ عرفان کے بہنوئی یہاں لیکچرار تھے' اسے ان سے کام تھا۔ تیمور کے ساتھ یہاں سے گزرتے ہوئے عرفان کو اپنا کام یاد آیا تو وہ اسے لیے سیدھا ادھر آگیا۔

عرفان تو اپنے بہنوئی کے ساتھ مصروف تھا وہ اسے چھوڑ کر باہر گراؤنڈ میں آگیا جہاں بے فکرے اسٹوڈنٹ دھوپ کا لطف اٹھا رہے تھے۔ تب ہی ایک گوشے میں بیٹھی پروا پہ اس کی نظریں پڑیں تو دل و نگاہ اپنے اختیار میں ہی نہ رہے۔ مصطفیٰ کے گھر ملنے والی اس حسینہ نے دل کا سکون ہی لوٹ لیا تھا۔

حوریہ والی ٹریجڈی ہونے سے پہلے اسے بڑی شدت سے اس کا انتظار تھا کیونکہ مصطفیٰ کے گھر سے مہندی لاتے وقت اس نے بھی آنا ہی تھا۔ آخر کو زارا کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ مصطفیٰ کے اس اقدام کی وجہ سے اس کا دل افسردہ تھا۔ سو پروا کے بارے میں کوئی سوچ ذہن میں آئی ہی نہیں۔ ہاں اب جب حوریہ اپنے گھر کی ہو چکی تھی تو وہ پرسکون تھا۔

رات کی تنہائی میں اکثر وہ پروا کے بارے میں سوچتا تھا۔

"ہیلو' کیسی ہیں آپ؟" اپنائیت بھرے انداز میں اس

نے اس کی خیریت پوچھی۔
پروا اسے پہچان گئی ساتھ یہ بھی یاد آگیا کہ وہ حوریہ کا بھائی ہے زارا کی نہ ہونے والی بھابھی کا بھائی۔ اس حوالے سے اسے تجسس سا تھا کہ اس بدقسمت لڑکی پہ کیا گزری ہوگی۔ زارا نے بھی اس موضوع پہ بات کی ہی نہیں۔ قسمت سے آج حوریہ کا بھائی سامنے آگیا تھا۔
آج زارا بھی نہیں آئی تھی اور ویسے بھی اکیلی بور ہو رہی تھی۔ "آپ کیسے ہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ رسمی انداز میں بولی پھر تیمور نے بہت جلد تکلف کی تمام دیواریں گرا دیں۔ اپنے دلچسپ ہنسوڑ انداز کی وجہ سے اس کا دوسرا تاثر پہلے کے مقابلے میں اچھا تھا۔ پروا نے خاص طور پر اس سے اس کی بہن کے بارے میں پوچھا۔
"اس کی شادی ہو گئی ہے۔ بہت اچھے شخص کے ساتھ ' میرے بہنوئی آرمی میں ہیں۔ بہت نائس اور نفیس شخصیت کے مالک۔ حوریہ کی طرف سے اب ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ جس ہمدردی کے ساتھ آپ نے میری بہن کے بارے میں پوچھا اس سے آپ کی اچھی فطرت کا اندازہ ہو رہا ہے' ورنہ مصطفیٰ بھائی کی فیملی میں سے تو آج تک کسی نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ ویسے جو بھی ہوا اچھا ہوا' میری بہن کو قدرداں لوگ ملے ہیں۔ وہ اگر کہیں آپ سے ملی تو بہت خوش ہوگی۔ میں آپ کے بارے میں اسے ضرور بتاؤں گا کبھی ملواؤں گا بھی ملیں گی ناں حوریہ سے۔"
"ہاں کیوں نہیں۔" وہ بے سوچے سمجھے بولی تو تیمور نہال ہو گیا۔
وہ پندرہ بیس منٹ میں اس سے بہت کچھ پوچھ چکا تھا۔ اس کے ماں باپ کے بارے میں پوچھے گئے سوال پہ جب اچانک پروا کی آنکھ میں نمی تیرنے لگی تو تیمور بے چین ہو گیا۔
"سوری میں نے آپ کو دکھی کر دیا ہے۔ لیکن میرا وعدہ ہے کہ اب آپ کا یہ دوست آپ کو رونے نہیں دے گا۔ ساری زندگی ہنساتا رہے گا۔ اس دوست کی دوستی آپ کو قبول ہے؟؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو اپنا سیل نمبر مجھے دے دیں۔" خلوص سے تیمور کے لہجے میں سچائی تھی۔
جب وہ وہاں سے اٹھا تو تیمور اس سے اس کا نمبر اور گھر کا ایڈریس معلوم کر چکا تھا۔ وہ اسے اپنے گھر آنے کا اور حوریہ سے ملنے کا وعدہ بھی لے چکا تھا۔
آج وہ بہت مسرور تھا۔ پروا نے اسے اپنے نمبر اور گھر

کے ایڈریس کے بارے میں بتا دیا تھا اس کا مطلب تھا' اس کے سچے جذبوں نے اپنا آپ منوا لیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دوسری ہی ملاقات میں وہ اس پہ ہرگز اعتبار نہ کرتی۔ سیٹی کی دھن پہ شوخ سا نغمہ گنگناتے ہوئے اس کی خوشی عرفان نے بھی محسوس کر لیا۔
"یونیورسٹی میں آ کے تمہاری طبیعت کافی بحال ہو گئی ہے۔ ورنہ صبح جب میں نے تمہیں فون کیا کہ ایک ضروری کام سے جانا ہے تو تم نے بہانہ کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ یہاں آ کے تمہاری طبیعت بحال ہو جائے گی تو میں پہلے ہی ادھر لے آتا۔" عرفان اس پہ طنز کر رہا تھا۔
"اچھا یار! ایسے ہی سہی۔ اتنے خوبصورت چہرے نے طبیعت ٹھیک کیسے نہ ہوتی۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔
"میرا خیال ہے کہ چند دن پہلے کی ہی بات ہے جب آپ رات دن پروا نامی حسینہ کے لیے آہیں بھر رہے تھے اب یہ تبدیلی کیا معنی رکھتی ہے۔" عرفان نے اسے لتاڑا۔ وہ ہنسنے لگا۔
"یار! وہی تو آج یونیورسٹی میں ملی ہے بے مانگی دعا کی طرح۔" وہ اسے ملاقات کی تفصیل بتانے لگا۔

✡ ✡ ✡

سلیمان ہاسپٹل میں تھا۔ یہ دو دن پہلے کی بات تھی۔ معمول کے مطابق اپنے آفس گیا۔ ڈی آئی جی نے ہنگامی میٹنگ بلوائی تو دوسرے افسران کے ساتھ سلیمان ان کے آفس چلا گیا۔ میٹنگ کے خاتمے پہ سب سے آخر میں اٹھنے والا وہی تھا۔ وہ گاڑی کا لاک کھول رہا تھا جب اسے اپنے دائیں پہلو میں انگارہ سا اترتا محسوس ہوا۔ یکے بعد دیگرے دو اور انگارے اس کے بازو میں اترے درد اتنا تھا کہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ سڑک پہ منہ کے بل گر گیا۔ حملہ آور اپنا کام کر کے بجلی کی تیزی سے فرار ہو گئے۔ فائر کی آواز سن کر جو لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلیمان کو ہاسپٹل پہنچایا۔ گھر اطلاع پہنچی تو غم صدمے سے ثمینہ بیگم کی حالت غیر ہو گئی۔
ان کا جوان خوبرو بیٹا بے بس و لاچار ہاسپٹل میں پڑا تھا' جانے کون شقی القلب تھا جس نے ان کے گھر کا چراغ بجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔
پروا دل ہی دل میں اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔

سب ہسپتال میں تھے۔ ثمینہ بیگم نے اسے گھر پہ رہنے کی ہدایت کی تھی۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی سلیمان کو دیکھنے جائے۔
جب ثمینہ بیگم کے ساتھ اس کے بھی بے اختیار آنسو بہہ نکلے تو ثمینہ دل ہی دل میں کچھ سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھیں۔ بھلا اسے سلیمان سے کیا لگاؤ ہے جو وہ اس کے لیے یوں رو رہی ہے' وہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھیں کہ انسانیت کے رشتے سے بھی پروا' سلیمان کے لیے رو سکتی ہے۔ دعا کر سکتی ہے۔
خولہ اپنے دونوں بچوں کو اس کے پاس چھوڑ کر بھائی کے پاس پہنچ گئی۔ ڈاکٹرز نے آپریشن کر کے گولیاں نکال دی تھیں۔ اب وہ خطرے سے باہر تھا۔
رات کو ثمینہ بیگم ضد کر کے بیٹے کے پاس رکیں حالانکہ سلیمان سمیت سب نے ہی سمجھایا تھا مگر وہ نہ مانیں۔
تینوں وقت ناشتہ کھانا گھر سے تیار ہو کر جاتا۔ پروا پہ ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔ یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ خولہ آپی کے دونوں بچوں کی دیکھ بھال' مہمانوں کو کمپنی دینے کی اضافی ذمہ داری بھی ان دنوں اس کے سر آگئی تھی۔
گھر میں ملازم تھے مگر انہیں بھی ایک ایک کام بتانا پڑتا۔ نائمہ لاڈلی تھی پھر طاہرہ اسے کسی کام کو ہاتھ لگانے بھی نہ دیتی تھیں۔ ہاں پروا چونکہ بے گھر بے سہارا لڑکی کے روپ میں سامنے آئی تھی اس لیے اکثر و بیشتر وہ اسے کسی نہ کسی کام کا کہتی رہتیں۔
طاہرہ اور نائمہ آج گھر پر تھیں۔ زارا اور ثنا دونوں نے سلیمان کی عیادت کا پروگرام بنایا تھا۔ طاہرہ بیگم نے عین وقت پہ پروا کو روک دیا۔
"تم جا کر کیا کرو گی گھر میں بھی تو کسی کا موجود ہونا ضروری ہے۔" اپنی طرف سے انہوں نے مضبوط دلیل دی۔ "ویسے بھی سلیمان کے ساتھ تمہارا رشتہ ہی کیا ہے وہ باتیں بنائیں گے جو میں نہیں چاہتی کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں ثنا کو ہی بہو بناؤں گی۔ تم جوان ہو خوب صورت ہو کسی کو بھی غلط فہمی ہو سکتی ہے پھر میرے سلیمان کا عہدہ' شخصیت' خاندان کچھ بھی تو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ میں کسی اسکینڈل کی متحمل نہیں ہو سکتی خاندانی لوگ ہیں ہم بہت ساری باتوں کو سوچنا پڑتا ہے۔" انہوں نے در پردہ اسے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

لاکھ ضبط کی کوشش کے باوجود پروا کو رونا آگیا حالانکہ وہ عہد کر چکی تھی کہ ان سمیت کسی کی بھی بات کو دل پہ نہیں لے گی۔ مگر طاہرہ بیگم کو جانے کیوں اس سے خدا واسطے کا بیر ہو چلا تھا۔

✡ ✡ ✡

پروا چپ چپ سی تھی۔ زارا کافی دیر سے اس کی خاموشی نوٹ کر رہی تھی پھر تنگ آ کر بول ہی پڑی۔
"کیا بات ہے' شکل مبارک پہ بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔"
"بس ایسے ہی۔"
"میں نوٹ کر رہی ہوں کچھ دنوں سے بہت پریشان ہو۔ میں نے کل طاہرہ آنٹی کا رویہ تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔ سچ بتاؤ پروا! مجھے ان کی باتیں اچھی نہیں لگیں ہیں تم امیر ہو' صاحب جائیداد ہو تمہارے بابا سائیں کتنے بڑے بزنس مین تھے پھر بھی وہ تمہارے ساتھ اتنا روڈلی بات کر رہی تھیں اچھا وہ تمہارا گھر آئی ایٹ والا اس کا کیا ہوا؟ کرائے پہ دے دیا ہے یا بند پڑا ہے۔" زارا نے ایک ہی سانس میں ڈھیروں سوال کر ڈالے۔ پروا نے اسکے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔
"آئندہ کسی اور کے سامنے یہ مت کہنا کیونکہ سلیمان نے مجھے منع کر دیا تھا اور گھر بند پڑا ہے۔" زارا کے ذہن میں اس کا جملہ اٹک گیا۔
"تمہارا گھر اتنا خوب صورت اور ویل ڈیکوریٹڈ ہے وہاں چلی جاؤ ناں۔"
"وہاں سے ہی تو آئی تھی۔" وہ دل گرفتگی سے بولی۔ "کس کے ساتھ وہاں رہوں۔ مجھے اب تنہائیوں سے ڈر لگنے لگا ہے اچھا چھوڑو یہ بات' مصطفیٰ بھائی کا کیا بنا؟" پروا نے موضوع تبدیل کر دیا۔
"بننا کیا ہے۔ ان کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔
"ویسے مائنڈ نہ کرنا حوریہ بہت اچھی لگی تھی مجھے۔ ارے یاد آیا اس کا بھائی تیمور مجھے ملا تھا یہیں پہ۔"
"ہائیں کب کی بات ہے یہ۔" زارا کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔ پروا اسے تفصیل بتانے لگی۔
"کل سے اس کا فون بھی آ رہا ہے رات کو بات کی تھی میں نے۔"
"ویسے اچھا لڑکا ہے تیمور' زندہ دل اور ہنسوڑ میری

مانو تو شادی کر ڈالو۔" لگے ہاتھوں زارا نے مشورہ دیا تو پروا کو غصہ آ گیا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"یار! میرا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ کہنے کا مطلب ہے کوئی اچھا سا بندہ ملے تو شادی کر لو اور اپنے گھر میں رہو مالکوں کی طرح' مجھے تو کل سے سوچ سوچ کے دکھ سا ہو رہا ہے طاہرہ آنٹی کی سوچ پہ۔ حوریہ بھابھی کی ساری فیملی ہی اچھی ہے۔ سنا ہے کہ ان کی شادی ہو گئی ہے۔" زارا ابھی تک اسے سابقہ تعلق۔۔۔ کے حوالے سے مخاطب کر رہی تھی۔

"ہاں تیمور بتا رہا تھا کہ اس کی شادی کسی آرمی آفیسر سے ہو گئی ہے اور وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔"

"چلو خوش ہی رہیں وہ بھی' ہم نے بھی ایک لڑکی دیکھی ہے نیلم نام ہے اس کا بہت ماڈرن اور اسمارٹ ہے ہمیں تو پسند آئی ہے مصطفیٰ بھائی کو دکھانے کا مرحلہ رہتا ہے۔ ماما کہہ رہی تھیں بھائی اوکے کریں تو شاء آپی کی شادی بھی ان کے ساتھ ہی کر دیں۔ منگنی بھی بھائی والے معاملے کی وجہ سے ٹل گئی تھی۔" پروا کے دل کو دھکا سا لگا۔

وہ دونوں باتیں کر ہی رہی تھیں کہ پروا کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا۔ تیمور کی کال تھی۔

"میرے ساتھ آج کھانا کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"خیال تو نیک ہے پر افسوس اس پہ عمل در آمد فی الحال ناممکن ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"کیوں جناب؟"

"اس لیے کہ میں بزی ہوں میری برتھ ڈے آ رہی ہے اسی خوشی میں میں کھانا کھلا دوں گی۔"

"رشتی!"

"ہاں بالکل سچ۔"

"تم کتنی بچی ہو مائی سوئیٹ فرینڈ۔"

"بس بس مکھن نہ لگاؤ' مجھے پتہ ہے میں کتنی سوئیٹ ہوں تیمور کے بچے۔"

"یہ تیمور کے بچے کہاں سے آ گئے؟ وہ بے چارا خود ابھی بچہ ہے۔" پروا ہنسی تو ہنستی چلی گئی۔

زارا اس دوران اس کے طرز تخاطب اور چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھتی رہی۔ تیمور کے فون نے جیسے اس کی ساری کلفت دھو ڈالی تھی۔ اس کی آواز کھنک رہی تھی۔

"اے اللہ میری دوست کو ہمیشہ اسی طرح خوش رکھنا۔" زارا کے دل سے دعا نکلی تھی۔

✡ ✡ ✡

تیمور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پروا کو فون پر ابھی آنے کو کہا تھا۔ پروا زارا کے ساتھ آئی تھی۔ اور زارا کو تیمور کے بلاوے کا نہیں بتایا تھا ورنہ شاید وہ ساتھ نہ آتی۔ کیونکہ حوریہ والے واقعے کے بعد ان میں سے کسی کا بھی سامنا کرنا بہت مشکل لگتا تھا۔

ان دونوں کے آنے پہ تیمور نے گاڑی کا دروازہ کھولا زارا نے بڑی دقت سے تیمور سے خیر خیریت پوچھی۔ جبکہ وہ بڑے نارمل انداز میں بولا تو زارا کی ہچکچاہٹ بھی ختم ہو گئی۔ ایک ایک کر کے اس نے پھر سب کے بارے میں دریافت کیا۔

"تیمور! سب کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں مصطفیٰ بھائی کے اس اقدام کی وجہ سے ہم چاہتے ہوئے بھی تمہارا سامنا نہیں کر سکتے۔" زارا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"کم آن زارا! کیا بات کرتی ہو ہم سب بھول گئے۔ حوریہ کا شوہر بہت اچھا ہے۔ مصطفیٰ بھائی سے اور اچھا۔ جانے کس نیکی کا انعام ہیں عثمان بھائی ہمیں وہ رحمت کا فرشتہ بن کر آئے۔" تیمور کے انداز میں دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔

"اچھا تم ہمیں کہاں لے کر جا رہے ہو؟" پروا نے موضوع بدلا۔

"چپ ہو کر بیٹھو۔" تیمور نے ڈانٹ دیا۔

یہ راز اس وقت کھلا جب اس نے ایک ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی۔ آج پروا کی سالگرہ تھی اور اس نے میریٹ میں بطور خاص ٹیبل ریزرو کرائی تھی۔

"سالگرہ مبارک ہو پروا!" تیمور اور زارا نے ایک وقت کیک اس کے منہ میں ڈالا۔

نہ جانے کیوں اس قدر توجہ اور محبت پہ پروا کو رونا آ گیا۔ اس کے ذہن میں گزشتہ سال منائی جانے والی سالگرہ کا منظر لہرا گیا جب وہ حویلی میں تھی۔ عین سالگرہ والے دن بابا سائیں نے آ کر اس کی خوشیوں کو بڑھا دیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ پروا کو سرپرائزنگ برتھ ڈے وش کریں

بار تیمور بازی لے گیا تھا۔

"مجھے تم جیسے دوستوں کی دوستی پہ فخر رہے گا۔" اس کی آنکھوں میں نمی جھلملا اٹھی۔

تیمور نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ زارا نے اسے گفٹ دیا۔ تیمور نے قیمتی پرفیوم اور شاعری کی کتابوں کا سیٹ اسے دیا۔ زارا کے ساتھ ساتھ تیمور نے اسے بھی گھر ڈراپ کیا۔

وہ معمول سے کچھ لیٹ ہی پہنچی تھی۔ کپڑے بدل کر لاؤنج میں آئی تو طاہرہ اضطراب کے عالم میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ تیمور کے ساتھ آتے ہوئے وہ اسے دیکھ چکی تھیں۔

سلیمان جوان جہان لڑکی کو گھر اٹھا کر لے آیا جانے کس خاندان کی اور اس کے چونچلے اٹھا رہا تھا۔ سہارا دینے والے یونیورسٹیوں میں نہیں پڑھاتے اور اب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں۔ کہ ایک اسمارٹ سے لڑکے کی گاڑی سے اتری تھی ان دونوں کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ آپس میں کافی بے تکلفی ہے پھر پروا کے ہاتھ میں وہ شاپر تھے' جو یونیورسٹی جاتے وقت انہیں نظر نہیں آئے تھے۔

سو وہ پروا کو دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

"تم آج کس کے ساتھ آئی ہو؟" ان کا لہجہ شک سے بھرا ہوا تھا پروا نے سر جھکا لیا جس سے ان کا شک تقویت پکڑنے لگا۔

"ہونہ ہو ضرور کوئی بات ہے۔" یہ ان کا قیاس تھا۔

"اصل میں آنٹی!" پروا نے گلا صاف کرتے ہوئے بات کرنے کی کوشش کی' "میری آج برتھ ڈے تھی زارا اور تیمور نے مجھے سرپرائز دینے کے لیے ہوٹل میں ٹیبل ریزرو کروائی۔" اس نے زارا کا نام بھی مصلحتاً لے لیا۔

"یہ تیمور کون ہے؟"

پروا نے جانے کیوں نگاہ چرا لی۔

"جس لڑکی سے مصطفیٰ بھائی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی تیمور اس کا بھائی ہے۔ زارا بھی آج اس سے ملی تھی۔ وہ یونیورسٹی آیا تھا۔" اس کی زبان لڑکھڑا سی گئی۔

"تم کیسے جانتی ہو تیمور کو؟" وہ کڑے تیوروں سے بولیں۔

"اصل میں۔۔۔ میں' تیمور۔" اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ پھر ان کے تیوروں نے اسے خائف کر دیا

"سلیمان ترس کھا کر تمہیں لایا ہے ہماری عزت کا خیال رکھنا۔" پروا کی نگاہیں زمین پہ گڑ گئیں۔

"سلیمان ہاسپٹل میں ہے گھر سارا بکھرا پڑا ہے اور یہ برتھ ڈے منا رہی ہیں حد ہوتی ہے خود غرضی کی۔" ان کے لفظ لفظ میں خنجر کی سی کاٹ تھی۔

"میں سلیمان کے پاس جا رہی ہوں اپنے انکل کو میڈیسن وقت پہ دے دینا اور رات کو اسلم کے ہاتھ چکن سوپ یاد سے بھجوا دینا۔" وہ اپنے گزشتہ الفاظ کا اثر زائل کرنے کے لیے تیز تیز بول رہی تھیں۔ اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اسے افسوس میں گھرا چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اصغر کسی دوست کے گھر گئے تھے جبکہ نائلہ پہلے سے ہی ہاسپٹل میں تھی۔ اس نے تنہائی سے دھیان ہٹانے کے لیے نواز کا نمبر ملایا ہمیشہ کی طرح سیل آف ہی ملا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی نواز نے پلٹ کر پھر اس کی کوئی خیر خبر نہیں لی تھی' جانے وہ کس حال میں تھا۔

پروا تو اکثر اسے یاد کرتی کیونکہ وہ بابا سائیں کا دست راست تھا۔ ان کی یادگار۔ اس نے بھی بہت ساتھ دیا تھا اب نہ جانے کہاں تھا؟ کوئی اتا پتہ ہی نہ تھا۔ پروا کا دل جب طاہرہ بیگم کے اس سرد رویے سے گھبرانے لگتا تو اس کا جی چاہتا اپنے گھر چلی جائے حویلی میں جہاں بابا سائیں کی یادوں کی خوشبو بکھری پڑی تھی۔

اپنی نگرانی میں اس نے سوپ تیار کروا کے تھرمس میں ڈالا۔ زینت بوا پرہیزی کھانا پہلے ہی تیار کر چکی۔ ابھی وہ اسلم کو ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ اصغر صاحب آ گئے۔

"تمہاری آنٹی کہاں ہیں بیٹا؟" انہوں نے طاہرہ بیگم کو نہ پا کر سوال کیا۔

"وہ تو ہاسپٹل گئی ہیں۔"

"میں بھی جا رہا ہوں وہیں پھر' ذرا چینج کر لوں۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ تو وہ جلدی سے بول اٹھی۔

"آنٹی نے سوپ اور کھانا بھجوانے کو کہا تھا وہ تیار ہے آپ جب جائیں تو لے جائیں۔"

"ویری گڈ' ارے ہاں یاد آیا۔ سلیمان تمہارا پوچھ رہا تھا' کل اگر جانا چاہو تو میرے ساتھ آ جاؤ۔" انہوں نے آفر کی۔

پروا کے دل میں خوشیوں کے ہزاروں ننھے منے دیپ بیک وقت جل اٹھے' صرف ایک جملہ ہی تو تھا سلیمان

تمہارا پوچھ رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے انکل! چلی جاؤں گی۔" اس نے بہ مشکل اپنی خوشی چھپائی۔

سلیمان پرائیویٹ ہاسپٹل کے وی آئی پی روم میں تھا۔ جب پروا اور اصغر اس کے پاس پہنچے تو وہ اکیلا تھا۔ اصغر صاحب کی سوالیہ نظروں پر وہ بولا۔

"مما اور نائلہ ابھی پندرہ منٹ پہلے گئی ہیں۔" اصغر اسے خیر خیریت پوچھ رہے تھے۔ پروا نے دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا عین اسی وقت سلیمان نے نظر اٹھائی تو وہ گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

"سلیمان کھانا کھالو بعد میں بات کرنا۔ بیٹی کھانا نکالو۔" اصغر صاحب بیک وقت دونوں سے بولے۔

پروا نے اٹھ کر برتن نکالے۔ اسی اثناء میں اصغر صاحب کا فون آیا تو وہ اٹھ کر باہر سننے چلے گئے۔ وہ کھانا ٹرے میں اٹھائے بیڈ کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"کھانا کھالیں۔" وہ اس کی طرف دیکھنے سے احتراز کر رہی تھی۔

"اتنے دن کے بعد آئی ہیں آپ اور ایک بار بھی میری خیریت نہیں پوچھی مجھے انتظار ہی رہا آپ کے آنے کا نہیں کھانا مجھے کچھ بھی۔" حیرت در حیرت کا سلسلہ تھا۔ کہاں تو وہ کسی جذبے کو عیاں ہونے ہی نہیں دیتا تھا اور اب بے تابی حد سے سوا تھی۔

اس حادثے کے بعد ہی سلیمان کو اپنے اور پروا کے مابین تعلق کی مضبوطی کا احساس ہوا۔ ماں کی باتوں سے وہ خود کو مجرم سا محسوس کر رہا تھا۔ ایک لڑکی اس کی منکوحہ تھی، اس کی زندگی میں شامل تھی اور وہ انجان بنا دیا تھا۔ اگر طاہرہ بیگم کا رویہ پروا کے لیے محبت بھرا ہوتا تو شاید یہ احساس بھی نہ جاگتا۔ وہ اس کے ساتھ ایک گھر میں رو رہی تھی۔ طاہرہ بیگم کی کسی زیادتی پہ ایک لفظ تک نہ سنا تھا سلیمان نے اس کی زبان سے۔ بے شک وہ حمید جو کھیو کی بیٹی تھی پر اب تو اس کی عزت تھی۔

ناراضی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اسے پہلے کہ وہ کچھ بولتی اصغر صاحب فون سن کر دوبارہ اندر چلے آئے تو وہ ٹرے رکھ کر اپنی جگہ پہ آ گئی۔

واپسی پہ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ طاہرہ بیگم نے اس کے ہاسپٹل جانے پہ ناراضی کا واضح اظہار کیا اور اصغر صاحب کو بھی نہیں بخشا۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں اسے لے کر ہاسپٹل گئے، میں پہلے ہی اس سے خوفزدہ ہوں، سلیمان پہ اعتبار ہے پر اس لڑکی پہ نہیں ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولیں۔ اصغر نے انہیں افسوس بھری نظروں سے دیکھا۔

"واہ بیگم! تمہارا بھی جواب نہیں، اگر یہ ہاسپٹل گئی تو کون سا قیامت آ گئی۔ سلیمان کل پوچھ رہا تو اس لیے لے گیا۔ پروا نے تو مجھے نہیں کہا کہ مجھے لے جائیں۔ میں نے ہی کہا تھا۔" وہ اور بھی کچھ کہتے پر طاہرہ بیگم کو یہ جان کر جیسے کرنٹ سا لگا کہ سلیمان پوچھ رہا تھا۔

"مجھے تو گڑبڑ لگتی ہے۔"

"آپ کو تو ہر طرف گڑبڑ لگتی ہے خوامخواہ اس معصوم بچی کے پیچھے پڑ گئی ہیں حالات کی ماری ہے بے چاری۔"

"بس کریں آپ۔ حالات کی ماری ہے تو کسی ہاسٹل یا دارالامان کیوں نہیں چلی جاتی۔ یہ ہمارے گھر پہ قبضہ جمانا چاہتی ہے اور دیکھ لینا ایک دن ایسا ہو کے رہے گا۔" اصغر صاحب کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لیں۔

☆ ☆ ☆

سلیمان ہاسپٹل سے گھر آ چکا تھا۔ مکمل صحت یابی کے لیے اسے ابھی چند ہفتے درکار تھے۔ گھر میں اس کی عیادت کو روز ہی کوئی نہ کوئی چلا آتا۔ سلیمان اس طرح رہنے کا عادی نہیں تھا۔ لہٰذا بہت جلد تنگ آ گیا۔

پروا ٹی وی لاؤنج میں میوزک چینل دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ بیگم آج رات دس بجتے ہی سو گئی تھیں۔ نائلہ کی دوست آئی تو وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نائلہ نے ابھی کچھ دیر پیشتر وہ بھی اس کے ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے میوزک اور گلوکاروں پہ تبصرے کر رہی تھی۔

اب پروا اکیلی تھی۔ ابرار الحق کا نیا ویڈیو چل رہا تھا۔ مزاحیہ بولوں پہ مسکرا رہی تھی۔ سلیمان کو نیند نہیں آ رہی تھی ویسے بھی وہ دیر سے سونے کا عادی تھا اتنی جلدی نیند آئی بھی نہیں تھی۔ نیچے آ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بیگم اور نائلہ کے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے آواز آ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ پروا کے پاس رکا تو اسے تب خبر ہوئی۔

"جاگ رہی ہیں آپ؟" اس نے بات کا آغاز کیا۔

"جی ہاں، نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"مجھے بھی نہیں آرہی ہے۔ کارڈز کھیلیں گی میرے ساتھ۔" اس نے دوستانہ آفر کی۔

"مگر مجھے تو ــــ کھیلنا نہیں آتا۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"میں سکھا دوں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

اسے تو یہ خوف بھی تھا کہ اگر طاہرہ بیگم اٹھ گئیں تو کیا ہوگا؟ وہ پہلے ہی اس کی طرف سے بدگمان تھیں۔

"آؤ اوپر چلتے ہیں میرے بیڈ روم میں، وہیں کھیلیں گے۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ درد ہونے لگتا ہے یہاں۔" اس نے پسلیوں اور سینے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اس کے کمرے میں جانا نہیں چاہتی تھی پر اس کے لہجے کی کشش کے زیر اثر بندھی چلی گئی۔

"کھیل شروع ہونے سے پہلے ایک ایک کپ چائے پینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے میں بنا کر لاتی ہوں۔" وہ چائے بنانے کچن میں آگئی۔

جلدی جلدی چائے بنا کر کپ میں ڈالی۔ اس کا تو چائے پینے کا موڈ ہی نہیں تھا صرف ایک کپ ہی بنایا۔ سلیمان نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"پروا! میں آپ کو تم کہہ کر مخاطب کر سکتا ہوں؟"

"جی۔" اس نے حیران نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ سلیمان کی آنکھوں میں جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ہاں پروا! میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اب بھی نہ کہا تو منیر نیازی کی زبان میں دیر ہو جائے گی۔ پروا! میں بہت جلدی اپنے نکاح کے بارے میں گھر والوں کو بتا دوں گا۔ پتہ نہیں کیسے ہوا یہ سب۔" وہ بڑبڑایا۔ "ہاسپٹل میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اب اور اکیلا نہیں رہ سکتا۔" پروا نے پلکوں کی جھالر آنکھوں پہ گرالی۔

سلیمان کی ذات سے سارے شکوے جو اسے تھے ابھی ابھی ختم ہوگئے مگر چند سوال باقی تھے۔

"مگر گھر والے نے تو شاہ آپی کے ساتھ آپ کی شادی کا پروگرام بنایا ہوا ہے اس کا کیا ہوگا پھر آنٹی کو بھی وہ پسند ہیں۔"

"بابا میرا دو شادیاں کرنے کا پروگرام نہیں ہے۔" بہرحال اب خوش رہنا الٹی سیدھی سوچوں کو ذہن میں جگہ نہ دینا۔ میں بہت دنوں سے یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ــــ" وہ رک گیا۔

"کیا؟" وہ بے تابی سے بولی۔

"تم مجھے اچھی لگنے لگی ہو اتنی کہ آج تک کوئی نہیں لگا۔" پروا کو اپنا دل حلق میں دھڑکتا محسوس ہوا۔

"تمہاری طرف سے شروع میں، میں نے جس بے نیازی کا مظاہرہ کیا اس پہ شرمندگی ہے مجھے پر کیا کروں میں بھی۔ اپنی انا کے مارے۔" لب ہلا کیا کہتا کہ آج سے پہلے میں تمہیں صرف حمید بڈھے مجرم کے حوالے سے دیکھتا تھا اور یہ نکاح صرف ایک میرے نزدیک۔ پر نہ جانے کیسے مصطفیٰ کی منگنی اس لڑکے سے باتیں کرتے دیکھ کر میرے دل میں تمہارے رشتے کا احساس جاگا اور مجھے رقابت سی ہوئی تب ہی تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں تمہارے چلا آیا۔ تم ہاسپٹل نہیں آئیں تو میرے دل میں ننھے منے پودے کی شکل میں تھا اس عدم توجہی درخت بن گیا مجھے یہ سوچ ہی سرشار کر دیتی ہے کہ تم ہو۔ اب تم حمید جو کھیو کی بیٹی نہیں میری غیرت بن گئی ہو۔ اس وقت وہ نکاح جو میرے نزدیک ایک ڈیل تھی، خبر نہیں تھی کہ جان کا عذاب بن جائے مجھے تم سے سچ مچ محبت ہو جائے گی۔ میری طرف والوں کی طرف سے کچھ زیادتیاں ضرور ہوئیں سامنے شاہ کے ساتھ میری منگنی کا پروگرام بنا رہیں۔ تمہاری روئی روئی آنکھیں میرے قرار و لوٹ لے گئیں۔ پروا! تمہارے معاملے میں، میں ڈرنے لگا ہوں۔ تم رشتوں سے محروم ہو پر میں سارے رشتوں کا مان دوں گا۔" وہ اسے اتنے غور رہا تھا کہ اس کے دل میں دہکتے جذبے آنکھوں لگے تھے۔

بڑی معنی خیز سی خاموشی طاری تھی۔ وہ لب کھیلنے کے لیے لایا تھا پر اب اس کی دھڑکنوں سے تھا۔

"میں اب جاؤں؟" گھڑی پہ نگاہ پڑی تو وقت کا احساس ہوا۔

"جاؤ۔" ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے سلیمان نے بڑی بے چارگی سے کہا تو وہ چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آگئی۔ پیچھے خاموشی طاری تھی۔ اپنے میں آکر اس نے شکر ادا کیا۔

سلیمان کے اظہار نے اسے کتنا شانت کر دیا تھا

ثمرن سے بے نیاز ہو گئی تھی وہ۔ چاہت کی ایک نگاہ بھی کیا نگاہ ہوتی ہے۔ انسان سارے نفع نقصان پس پشت دیتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"ابھی تو بارہ بج گئے۔ ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ آج میری خیر نہیں امی سے جوتے پڑیں گے۔ دس بجے تک گھر سے باہر رہنے کی اجازت ہے آج بارہ بج گئے۔" تیمور بہت متفکر تھا۔

عرفان اور سارے دوستوں نے مری جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ واپسی پہ سمیر نے اپنے گھر جانے کے لیے روک لیا۔ اب جو قصے چھڑے تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ تیمور اپنی خیر مناتا سارے دوستوں کو الوداع کہہ کر نکلا۔

گھر پہنچا تو ایک لائٹ کے سوا ساری لائٹس بند تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ سب سوئے ہوئے ہیں۔ اسے اب گیٹ کود کر اندر جانا تھا کیونکہ اس وقت بیل بجانا اپنی شامت آپ بلانے کے مترادف تھا۔

سنگی سے چلتا وہ برآمدے تک آیا۔ سامنے کا دروازہ نیم وا تھا۔ صدف بھابھی میکے میں تھیں۔ اس لیے ولید کی طرف سے قدرے بے فکری تھی کہ اسے جگا تو سکے گا۔ وہ ابھی ولید کے بیڈ روم کے دروازے پہ دستک دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ ساتھ والے گھر کے آگے گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ اس وقت جانے کون آیا تھا۔

رات کے سناٹے میں چلتے قدموں کی آواز بڑی واضح تھی کوئی لان کے ساتھ روش پہ چلتا گیٹ کی طرف آرہا تھا اس نے یونہی ذرا گردن اونچی کر کے حامد کے گھر کی طرف دیکھا گیٹ سے ساجدہ کی ہمراہی میں اندر آتے مصطفیٰ کو اس نے ایک نظر میں ہی پہچان لیا تھا۔ اس کا انداز چوروں والا تھا۔

ساجدہ کے چہرے پہ گھبراہٹ نظر آرہی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ اسی طرح ــ وہ اسے اندر لے گئی۔ گاڑی اسی طرح گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ اسے چند ثانیے کے لیے غصہ تو ضرور آیا پھر آہستہ آہستہ پرسکون ہو گیا۔

ساجدہ کے کردار کا ایک اور پہلو آج اس کے سامنے آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سب سو گئے ہیں ناں؟" وہ اپنا اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔

"ہاں نیند کی گولیاں دونوں کو دودھ میں ملا کے دی تھیں۔ مرے پڑے ہیں۔" ساجدہ کے لہجے سے بے پناہ نفرت چھلک رہی تھی۔

"دیکھ لو تم نے بلایا اور میں آگیا اتنے خطرات مول لے کر بھی۔" مصطفیٰ کا لہجہ سراسر بناوٹی تھا پر وہ نہال ہو گئی۔

"میں نے آپ جیسے ہمسفر کی آرزو کی تھی پر جانے اس بڈھے حامد کی شکل میں کن گناہوں کی سزا ملی ہے مجھے۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے میری زندگی میں آنے والے آپ پہلے مرد ہیں حالانکہ اس کالونی کے بہت سے لڑکے اور مرد مجھ پہ مرتے ہیں پر میں صرف آپ پہ مرتی ہوں۔"

"میرے صبر و قرار کو بھی تم نے لوٹ لیا ہے۔ شادی تک سے انکار کر دیا میں نے۔ واقعی اس غلطی کی طرف تم نے ہی توجہ دلائی ــــ کہاں وہ بیک ورڈ سی لڑکی جسے نظر بھر کر دیکھ لو تو پزل ہو جاتی ہے۔ ایک تم ہو ہر لحاظ سے پرفیکٹ۔ بیوی تم جیسی ہو تو لائف گزارنے کا مزا آجاتا ہے۔ میں بہت جلد تم سے شادی کر لوں گا بس اپنے شوہر سے طلاق لو۔ میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں میری جان!" وہ رومینٹک ہونے لگا تو ساجدہ بھی موم کی طرح پگھل گئی۔

جن آرزوؤں کی تکمیل حامد نہ کر سکتا تھا وہ مصطفیٰ کے ذریعے ہو رہی تھی اور گناہ و ثواب کا احساس ہی مٹ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ میکے آئی ہوئی تھی۔ اسے عثمان چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کا ارادہ تین چار دن رہنے کا تھا۔ تیمور رات کھانے کے بعد حوریہ کو آئسکریم کھلانے کے بہانے باہر لے آیا۔ پھر ڈرائیونگ کے دوران ہی پروا کے بارے میں اپنے جذبات سے بہن کو آگاہ کیا۔

"میں تمہیں اس سے ملواؤں گا، بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"محبت ہو گئی ہے تمہیں اس سے؟"

"میں اسے جلد سے جلد پانا چاہتا ہوں۔ اگر اس کا نام محبت ہے تو پھر یہ محبت ہی ہو گی۔" تیمور کا پُرکشش چہرہ جگمگا رہا تھا۔

"پھر کب ملوا رہے ہو اسے مجھ سے؟" حوریہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں کل اس کی یونیورسٹی جاؤں گا' تم ساتھ چلنا یا اگر وہ گھر آنے کے لیے راضی ہوئی تو یہاں لے آؤں گا۔"

"ویسے تمہیں وہ ملی کہاں پہ؟" اس سوال پہ وہ مشکل میں پڑ گیا۔

"زارا کی فرینڈ ہے وہ' پر نو ڈاؤٹ بہت اچھی ہے۔" زارا کے نام پہ ایک لمحے کے لیے اسے کچھ یاد آیا پھر حوریہ نے سر جھٹک دیا۔

"تم سناؤ تمہارے سسرال والے تو ٹھیک ہیں نا؟" تیمور نے موضوع بدلا۔

"ہاں سب بہت اچھے ہیں بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔" وہ تیزی سے بولی تو تیمور ہنس پڑا۔

"سب کہیں گے ہم دونوں کہاں غائب ہو گئے ہیں۔"

"کہیں گے تو سہی' تم نے صدف بھابھی کو بھی نہیں پوچھا۔"

"میری بہنا! ابھی میں نے صرف تم سے بات کی ہے جب پروا سے مل لو گی تو باقیوں کو تب بتاؤں گا اس لیے صرف تمہیں لایا۔ انہیں لے آتا ہوں گھر جا کر۔" اس نے گاڑی وہیں سے موڑلی' حوریہ باہر کے مناظر میں گم ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

صدف کباب فرائی کر رہی تھی جبکہ حوریہ سلاد بنا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

"حوریہ! تم عثمان بھائی کے ساتھ خوش تو ہو نا؟" اس نے حوریہ کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہا۔

"ہاں بھابھی! بہت خوش ہوں۔" اس نے بھرپور طریقے سے مصنوعی خوشی کا اظہار کیا۔

"نہ جانے کیوں عثمان بھائی مجھے الجھے الجھے سے لگتے ہیں۔ اگر کوئی بات ہے تو چھپاؤ مت' مجھے بتا دو۔ کل وہ آئے تو تھوڑی دیر بیٹھے۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ جبراً مسکرا رہے ہوں تم بھی کھنچی کھنچی سی لگتی ہو نیو میرڈ کپل والی بات ہی نہیں ہے تم دونوں میں لوگ قیامت کی نظر رکھتے ہیں حوریہ ڈیئر! آج جو بات میں کہہ رہی ہوں کسی اور کے لبوں پہ بھی آ سکتی ہے۔ عثمان بھائی نے چاہت سے شادی کی ہے۔" صدف بھابھی کا تجزیہ اس کے دماغ میں اٹک کر رہ گیا۔

سلاد فریج میں رکھ کر وہ کچن سے نکل آئی۔ پیچھے صدف اسے پُرسوچ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پروا صوفے پہ بیٹھی صغرا بیگم کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔ جبکہ صدف اور حوریہ نگاہوں ہی نگاہوں میں تیمور کو چھیڑ رہی تھیں۔ پروا اس کے اصرار پہ آئی تھی۔ چائے پی لینے کے بعد تیمور اسے چھوڑنے گیا۔ اب تینوں خواتین پروا کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔

"امی! کسی روز پروا کے چچا کے پاس چلتے ہیں۔ دیکھ بھال کر لیں گے کہ کیسے لوگ ہیں۔ دیکھنے میں تو اچھی ہی لگتی ہے پھر تیمور بھی سنجیدہ ہے اس کے لیے۔"

"صدف کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو' کچھ دنوں بعد چلیں گی۔" صغرا بیگم نے بہو کی تائید کی تو وہ خوش ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

پروا بڑی بے چین سی تھی۔ سلیمان' طاہرہ بیگم' اصغر صاحب' نائلہ' خولہ اور اس کا شوہر اور خاندان کے دوسرے بڑے کتنی ہی دیر سے ہال کمرے میں تھے۔ ایک وہی تھی جو جلے پیر کی بلی کی طرح باہر پورے [illegible] کاٹ رہی تھی۔

سلیمان نے اپنے نکاح کے بارے میں بتانے کے لیے بڑے تایا اور پھوپھو سے اخلاقی مدد کے بہانے انہیں بلایا تھا تاکہ کیس ذرا مضبوط ہو سکے۔ کیونکہ اصغر صاحب بڑے بھائی کی کوئی بات ٹالتے نہیں تھے۔ اس نے روز پہلے ہی بڑے تایا کو اعتماد میں لے کر اپنے اور پروا کے بابت سب کچھ بتا دیا تھا۔ بڑے تایا خود بھی اکیلی [illegible] رہ چکے تھے انہوں نے ٹھنڈے دل سے ساری داستان [illegible] تھی۔

اب وہ سلیمان کے گھر میں بیٹھے سب کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بہتری اسی میں ہے کہ پروا کو بطور بہو قبول کر لیں۔ قانونی و شرعی طور پہ وہ سلیمان کی بیوی ہے۔ اکیلی [illegible] ہے۔ انسانیت کے نام پہ میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان کو مجبور مت کرو کہ اسے طلاق دے۔"

"پر بھائی جان! لوگ کیا کہیں گے کہ ایک نامی گرامی مجرم کی بیٹی ہی رہ گئی تھی ہمارے خاندان کے لیے۔ میرا بیٹا قانون کا رکھوالا ہے جبکہ وہ ایک کرپٹ کی اولاد ہے۔ حمید جوکھیا کا خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس سے ہم بھلائی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟" یہ طاہرہ بیگم تھیں۔ سجاول گیلانی کو غصہ آ گیا۔

"یہ کوئی فارمولا نہیں ہے کہ چور کی اولاد چور ہی ہو۔ مت بھولو کہ سلیمان نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو گواہ بنا کر اسے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔ عہد توڑو گے تو اس کی سزا بھی ملے گی۔" طاہرہ بیگم نے ان کی بات سن کر برا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے بھائی جان! تھوڑا سا ٹائم چاہیے مجھے سلیمان کی شادی کے لیے۔ سچ پوچھیں تو یہ بچی پہلے روز سے ہی ہمیں اچھی لگی تھی۔"

"اصغر! اس کام میں اب دیر مناسب نہیں ہے۔ جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان!" اصغر صاحب سعادت مندی سے بولے تو طاہرہ بیگم نے انہیں گھورا۔

"میں لبینہ کو کیا جواب دوں گی؟ کب سے اس نے ثناء کے بارے میں کہا ہوا ہے۔" انہوں نے نیا نکتہ اعتراض اٹھایا۔

"میں خود جواب دے دوں گا انہیں بھابھی! منگنی تو نہیں ہوئی ہے نا! ثناء کے لیے رشتوں کی کمی نہیں۔ ہاں اگر پروا کی ذات پہ داغ لگ گیا تو ساری زندگی نہیں جائے گا۔" سجاول ناراض سے ہو گئے تو طاہرہ بیگم کا منہ بن گیا۔

خولہ اور نائلہ دونوں بہنیں باپ اور تایا کی ہمنوا تھیں' پھوپھو غیر جانبدار تھیں۔ سلیمان بہت خوش تھا کہ یہ مرحلہ بھی طے ہو۔

پھر اسی وقت سلیمان کو مٹھائی لانے دوڑایا گیا۔ سجاول صاحب نے پروا کو وہیں بلوا لیا۔

"آج سے تم ہماری بیٹی ہو۔" انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے سر پہ رکھا تو جانے کیوں اسے رونا آنے لگا۔ اسے بابا' ماما یاد آ گئے تھے۔

سلیمان مٹھائی لے کر آیا تو ماحول خوشگوار ہو چکا تھا۔ طاہرہ بیگم نے بھی بادل نخواستہ گلاب جامن کا آدھا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ نائلہ اور خولہ نے بیک وقت بھائی کے منہ میں لڈو ٹھونسے۔

"پروا بیٹا! تم اپنا ضروری سامان کل رکھ لینا۔ میں آ کر لے جاؤں گا تمہیں۔" پھر سجاول صاحب اصغر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ "یہ میرے گھر سے رخصت ہو کر آئے گی۔" پروا چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

آج تو ناممکن ممکن ہو گیا تھا' کتنا اچانک ہوا تھا سب کہ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

بہرحال وعدے کے مطابق سجاول تایا اسے لینے آ گئے۔ ایک ماہ کا وقت دیا تھا انہوں نے اصغر صاحب اور طاہرہ بیگم کو۔ پروا ان کے ساتھ چلی گئی تو اصغر صاحب' طاہرہ بیگم کو سمجھانے بیٹھ گئے۔

"طاہرہ بیگم! وہ ہمارے بیٹے کی خوشی بن گئی ہے تم نے سنا نہیں وہ کیا کہہ رہا تھا کہ جب اس نے پروا سے نکاح کیا اس کے دل میں اس رشتے کے حوالے سے کوئی چاہت یا سوچ نہیں تھی۔ اس نے صرف ازراہِ ڈیل اس نکاح کیا تھا بعد میں آہستہ آہستہ اسی رشتے کی برکت کی بدولت اس کے دل میں محبت پیدا ہوئی۔ تم نے سنا تو ہو گا کہ نکاح دو اجنبیوں کو بھی قرب کی زنجیر میں پرو دیتا ہے۔ اب ہمارا بیٹا بھی اس راہ کا مسافر بن گیا ہے۔ تم نے اس کی آنکھوں کی جوت نہیں دیکھی ہے کل کتنا خوش تھا وہ۔ اگر تم ایسا کرو گی تو وہ خوش نہیں رہے گا تم کیسی ماں ہو اپنے اکلوتے بیٹے کی ایک خوشی بھی تم سے گوارا نہیں ہو رہی ہے۔" اصغر صاحب نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا تو وہ بلبلا گئیں۔

"کیوں گوارا نہیں ہے اس کی خوشی مجھے۔ بیٹا ہے وہ میرا۔ دشمن نہیں ہوں میں اس کی۔"

"تو پھر دوست ہونے کا ثبوت دو نا!" اب وہ انہیں صاف طور پہ ستا رہے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ اپنی بہو کے لیے شاپنگ شروع کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ہار مان چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

حوریہ ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی نگرانی میں صفائی کروا رہی تھی۔ اس کی ساس نگینہ دو دن سے چھوٹی بیٹی کے پاس گئی ہوئی تھیں۔

عثمان رات خاصی دیر سے آیا تھا اور کھانا کھائے بغیر سو

گیا تھا۔ جب وہ فجر کی نماز پڑھ کر باہر آئی تب بھی وہ سو رہا تھا۔ حوریہ نے آہستہ آہستہ اپنے معمول کے کام نمٹانے شروع کیے۔ سب سے پہلے سسر کو ناشتہ بنا کر دیا وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنے آفس چلے گئے۔ عثمان کو اس نے خود نہیں جگایا شاید اسے لیٹ جانا تھا۔

اس کی سرد مہری اور روکھا پھیکا رویہ دیکھ کر حوریہ کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اسے بلائے اگر وہ خود سے مخاطب کرتی بھی تو ہوں ہاں میں جواب ملتا۔ عثمان کی اکثر معنی خیز باتیں اور اشارے اس کے سر سے گزر جاتے۔ اس کے باوجود وہ یہاں خوش تھی عثمان نے کسی کو کچھ محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔

اس دفعہ وہ میکے گئی تو پریشان سی ہو کر آئی۔ ان دونوں کے بیچ جو کچھ تھا صدف بھابھی نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی تو لگاتار بجتی چلی گئی۔ حوریہ نے لاؤنج میں آ کر فون اٹھایا۔

دوسری طرف ساجدہ بھابھی تھیں۔

"کیسی ہو حوریہ!"

"ٹھیک ہوں بھابھی! آپ سنائیے اور حامد بھائی بھی ٹھیک ہیں نا۔"

"اس کا نام مت لیا کرو میرے سامنے۔" شوہر کے نام پہ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

اب وہ کھل کر حامد سے نفرت کا اظہار کرنے لگی تھی۔ حوریہ قدرے حیران ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں کیا۔

"تم سناؤ حالات کیسے جا رہے ہیں' میری بات پہ عمل کر رہی ہو یا نہیں؟"

"بس بھابھی! کیا بتاؤں صدف بھابھی کو شک ہو گیا ہے کہ میرے اور عثمان کے مابین کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔"

"تم نے بتایا تو نہیں؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"نہیں' قطعی نہیں۔"

"بس بتانا بھی نہیں۔ تم بے شک بھابھی کو بتاتیں اور وہ عثمان سے پوچھتیں تو کیا وہ قبول کر لیتا کہ وہ عیاش اور بدکردار ہے؟ وہ کبھی بھی نہ مانتا۔ مردوں کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے۔" ساجدہ کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

دوسری طرف بیڈ روم میں لیٹا ہوا عثمان' ساجدہ اور حوریہ کے مابین ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن چکا تھا۔ ساجدہ کی فون آنے سے پہلے وہ باتھ روم میں شاور لے رہا تھا۔ اس لیے بجتی گھنٹی کی آواز اسے آئی ہی نہیں۔

اسے آفس فون کرنا تھا۔ اسی لیے اس نے ریسیور اٹھا۔ جونہی نمبر ملانا چاہا تو ساجدہ کی آواز آئی وہ باتیں ایسی کر رہی تھی کہ نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ سنتا چلا گیا۔

عیاشی اور بدکرداری کا طعنہ ایسا تھا کہ اندر ہی اندر وہ بھنا اٹھا۔

✡ ✡ ✡

پروا گیٹ کے پاس ٹہل رہی تھی۔ کل غیر متوقع طور پر نواز کا فون آیا تو وہ بے پناہ خوش ہوئی اس سے گلے شکوے کیے۔

"بی بی سائیں! میں ملک سے باہر جا رہا ہوں' آپ کی امانت میرے پاس رہ گئی ہے' مجھے لوٹانا یاد ہی نہیں رہا۔ کوریئر سے وصول کر لیجیے گا۔" پروا نے اسے بتایا کہ وہ سلیمان کے تایا کے گھر مقیم ہے اور تین ہفتے بعد یہیں سے اس کی رخصتی ہو گی۔

نواز نے اسے دعائیں دیں۔ کہا کہ وہ کوشش کرے گا اس کی شادی میں شریک ہونے کی۔ پروا نے اسے یہاں کا ایڈریس بھی لکھوایا۔ اسے اب شدت سے کوریئر کا انتظار تھا۔ جب وہ خاکی رنگ کا موٹا سا لفافہ دے کر گیا تو اس نے اسی وقت بے تابی سے کھول لیا۔

اندر سے ایک چابی اور نواز کے ہاتھ سے لکھا مختصر پرچہ برآمد ہوا۔ یہ چابی بینک لاکر کی تھی۔

اگلے روز یونیورسٹی جانے کے بجائے وہ سیدھی بینک چلی گئی۔ لاکر سے مطلوبہ چیزیں نکلوائیں اور وہاں سے ایک ریسٹورنٹ میں آ گئی۔ نواز کا اسرار بھرا لہجہ بتا رہا تھا کہ بینک لاکر میں کوئی غیر معمولی چیز ہے اس لیے وہ یہاں آئی تھی۔ بڑا پرسکون سا ماحول تھا اور رش بھی نہیں تھا' زارا کے ساتھ وہ یہاں تین چار بار آئی تھی یہ ریسٹورنٹ اپنے ماحول کی وجہ سے اسے پسند تھا' یہاں وہ اطمینان سے ان چیزوں کو دیکھ سکتی تھی۔

اپنے بابا سائیں کی وصیت پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ پھر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا طویل خط تھا۔ جوں جوں وہ پڑھتی گئی اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔ بابا سائیں نے اپنی پوری زندگی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

اپنی مجرمانہ زندگی کے اتار چڑھاؤ' اسے بارہ سال تک دور رکھنے کی وجہ' سلیمان کے ساتھ ہونے والی ڈیل' ...

بیزاری' نواز پہ اعتماد کی وجوہات سب کچھ ہی تو تھا ان کاغذوں میں۔

اس نے بڑی مشکل سے اپنے بکھرے ہوئے جذبات پہ قابو پایا۔ نواز کا نمبر ملایا تو پہلی بیل پر ہی ریسیو کر لیا گیا۔

"نواز! اگر تم یہیں ہو تو ابھی اور اسی وقت میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا' نواز سمجھ گیا کہ بہلانے سے وہ کسی طرح نہیں ماننے کی۔

"بی بی سائیں! آپ کہاں ہیں؟"

"تم گھر آ جاؤ' جو بابا سائیں نے بڑے چاؤ سے میرے لیے بنوایا ہے۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی محسوس کی جا سکتی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد نواز اس کے سامنے تھا۔

"میرے بابا سائیں کے بارے میں مجھے بتاؤ کیوں نہیں پتا مجھے کہ وہ اتنے زیادہ بیمار تھے؟ دنیا کے لیے وہ حمید جوکھیو تھے پر میرے لیے صرف بابا سائیں تھے اور رہیں گے۔" وہ رو رہی تھی۔ نواز مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"بہرحال میں نے تمہیں اس لیے بلوایا ہے کہ مجھے بابا سائیں کی قبر پہ لے چلو میں فاتحہ پڑھنا چاہتی ہوں اپنے بدنصیب بابا کے لیے ان کی روح کے سکون کے لیے۔"

"بی بی سائیں! میں یہ نہیں کر سکتا۔ وہاں آپ کے دشمنوں کا پہرا ہے میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں آپ پہ کوئی آنچ آئے یہ مجھے منظور نہیں۔"

"نواز! مجھے اس زندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زمانہ مجھے حمید جوکھیو کی بیٹی کے حوالے سے دیکھتا ہے مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ میں ایک مجرم کی بیٹی ہوں۔" وہ بہت دل گرفتہ لگ رہی تھی۔

"کچھ بھی ہو جائے' میں آپ کو وہاں نہیں لے جا سکتا۔"

"نواز! تم مجھے وہاں لے جاؤ گے۔ اگر نہیں تو مجھے جگہ بتا دو۔ میں خود چلی جاؤں گی۔"

"بی بی سائیں! میں آپ کو موت کے غار میں نہیں لے جا سکتا کیونکہ میرے قابل اعتماد بندے نے بتایا ہے کہ بشیر چیمہ کا پورا گروہ وہاں موجود ہے۔ سائیں نے چھ ماہ پہلے جو بہت بڑی ڈکیتی کی واردات کی تھی۔ وہ بشیر چیمہ کے ساتھ مل کر کی تھی۔ کامیاب واردات کے بعد انہوں نے ایک پرانے تنازعے کی وجہ سے وعدے کے مطابق آدھا حصہ اسے نہیں دیا تو دونوں میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ اس ڈکیتی میں بہت قیمتی اور بیش قیمت ہیرے بھی سائیں کے ہاتھ لگے جن کی قیمت اس وقت کروڑوں میں ہے۔ بس ان کے حصول کے لیے بشیر چیمہ پاگل ہو رہا ہے۔ اس نے سائیں کے آبائی گاؤں میں ہی ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ اس امید پہ کہ شاید ہیرے کا سراغ مل جائے۔ خود بشیر سائیں کے گاؤں کا رہنے والا ہے ان حالات میں آپ کا وہاں جانا اور قبر پہ جانا آپ کے لیے جان سے جانے کا بہانہ بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت آپ کی جذباتی حالت کسی کو بھی شک میں ڈال سکتی ہے پھر وہ بشیر چیمہ ہے جسے انسان کی نفسیات پڑھنے کا ہنر آتا ہے۔ گاؤں میں کوئی اجنبی بندہ جائے اور کسی کو پتہ نہ چلے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ چھوٹا سا گاؤں ہے' شہر نہیں ہے۔" نواز اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح پروا اس ارادے سے باز آ جائے۔ "آپ مجھے گولی مار دیں بے شک۔ میں آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتا۔" نواز نے اپنا پستول نکال کر سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا۔ وہ بے بس سی نظر آنے لگی۔

"اچھا مجھے اس گاؤں کا نام تو بتا دو میں نہیں جاؤں گی کبھی حالات میرے حق میں ہوئے تو جاؤں گی۔"

"بی بی سائیں آپ عورت ذات ہیں ڈاکوؤں سے کبھی آپ کا واسطہ نہیں پڑا ہے اس لیے ایسا کہہ رہی ہیں کہ کبھی جاؤں گی' آپ یہ خیال ہی ذہن سے نکال دیں۔"

"نہیں نواز! تمہیں بتانا پڑے گا یہ سب' اگر نہیں بتاؤ گے تو اپنی کنپٹی پہ یہ پستول رکھ کر میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گی۔" اس نے یکدم پستول اٹھا لیا۔

نواز نے تھک ہار کر گاؤں کا نام بتا دیا جہاں حمید جوکھیو کی قبر تھی۔

پروا کو گھر سے غائب ہوئے دوسرا روز تھا۔ اسے تلاش کرنے کی تمام تر کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ کچھ بتائے بغیر جانے وہ کہاں چلی گئی تھی۔ سجاول صاحب سمیت سلیمان بھی اسے ڈھونڈنے کے لیے ہر ممکن ذرائع استعمال کر رہا تھا۔ مگر اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

عثمان نے اب تک ہونے والے واقعات بلا کم و کاست ساجدہ کی آنے والی ٹیلی فون کال سمیت صدف کو سب کچھ بتا دیا۔ اسے پورا یقین تھا صدف کو گھر کی بہو ہونے کے

نا طے کچھ نہ کچھ پتہ ہی ہوگا۔

تمام زندگی صاف ستھرے طریقے سے گزاری تھی اب اس کی ذات پہ اتنے رکیک الزامات اوپر سے شادی کے پہلے روز حوریہ کا روٹھا کترایا کترایا انداز اُسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھا۔

صدف ساجدہ کی نفسیات تک پہنچ گئی تھی۔ بدقسمتی سے اس کی شادی ایک بوڑھے سے ہو گئی تھی۔ پھر اسے اپنی خوب صورتی اور جوانی کا احساس بھی تھا اس احساس کو بڑھانے میں کالونی کے منچلے لڑکوں نے بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا جنہیں ساجدہ آتے جاتے مسکراہٹ سے نوازتی رہتی۔

اس کی سوچ یہی تھی اگر وہ خوش نہیں کوئی اور خوش کیوں رہے۔ اسی سوچ نے اس کے حسد کو انتہا تک پہنچا دیا۔ حوریہ اتنی ہوشیار نہیں تھی سو بڑے آرام سے اس کے جال میں آگئی۔

حوریہ کا مصطفیٰ سے رشتہ ٹوٹنے میں بھی ساجدہ کا ہی ہاتھ تھا۔ ولید پہ اس کی نگاہوں کے تیر چل نہیں پایا ایک وہ بار اس نے صدف کو گمراہ کرنے کی کوشش کی پر وہ سمجھ دار تھی ولید سے بات کر کے معاملے کو صاف کرلیا۔

باتوں باتوں میں تیمور نے بتایا کہ اس نے رات کو مصطفیٰ کو ساجدہ کے گھر جاتے دیکھا ہے' یہ بات نظر انداز کرنے والی نہیں تھی۔ صدف نے حوریہ سے پوچھا تو وہ مکر گئی مگر اب عثمان نے بتایا تو ایک ایک کر کے سارے پردے اٹھتے چلے گئے اب صرف حوریہ سے تصدیق باقی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات دو ڈھائی بجے کا ٹائم تھا جب حامد کا گھر چیخوں سے گونج اٹھا۔ چیخیں اتنی لرزہ خیز تھیں کہ آس پاس کے گھروں کے سوئے اکثر مکین جاگ گئے۔

مفورا بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ ولید اور تیمور ان سے پہلے جاگ چکے تھے۔ حامد کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ آوازیں اندر سے آرہی تھیں ولید اور تیمور دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔

ساجدہ دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے برابر تکلیف وہ اندازہ میں ذبح ہونے والے جانور کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کا چراہت بھیانک لگ رہا تھا۔ آفاق عالم نے اس کے چہرے پہ تیزاب پھینک دیا تھا۔ کافی عرصے سے وہ اس کے خلاف غم و غصہ دل میں لیے بیٹھا تھا۔ وہ دور دور سے رو رہی تھی جذبات پوری طرح برانگیختہ کر کے اب بھاگ رہی تھی۔

پہلے خود ہی اسے لائن ماری محبت کا اظہار کیا قسمیں کھائیں۔ اسے اس انتہا تک لے آئی کہ اس کے بغیر جینا محال لگنے لگا وہ گوڑے گوڑے اس عشق میں غرق تھا وہ ایک ہی سانس میں پیاس بجھانا چاہتا تھا جبکہ وہ قطرہ قطرہ کر کے دید کی بھیک اس کے پھینک رہی تھی۔

وہ اپنے جذبات کے ہاتھوں پوری طرح بے بس ہو تھا۔ ساجدہ بھری شراب کی بوتل جیسی تھی اور اس کا نشہ آفاق کے انگ انگ میں سرائیت کر چکا تھا۔

آفاق نے تین چار اور لڑکوں کو بھی اس کے عشق دعویٰ کرتے سنا۔ کم و بیش وہ سب کے ساتھ ہی کھیل رہی تھی۔ البتہ مصطفیٰ کو اس نے الگ ہی حیثیت دے رکھی تھی ان سب سے برتر۔

کسی طرح آفاق کو بھی بھنک مل گئی تو اس نے پوری تفتیش کی وہ ساجدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔ سوئے اتفاق اس نے بھی مصطفیٰ کی گاڑی کو ساجدہ کے گھر کے آگے کھڑے دیکھا ایک بار ایک ہوٹل میں وہ اس کے ساتھ نظر آئی۔

ساجدہ کے تمام عاشقوں کو اس کا صدمہ تھا کہ اس نے انہیں دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا ہے۔ آفاق کی حالت سب سے بری تھی۔ آج بھی تو جب آفاق نے آہستگی سے دروازہ ناک کیا تو اس نے گمان پہ کھولا کہ شاید مصطفیٰ ہو پر آگے آفاق کھڑا تھا۔

اس نے ساجدہ کو فرد جرم سنائی۔ اس دوران حامد جاگ گیا آفاق نے اسے نفرت سے ڈانٹا۔

"تم بہت دیر سے جاگے ہو اب تک تمہاری بیوی کہاں سوئی ہوئی تھی۔" آفاق نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اب وہ اپنی بیوی کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پھر آفاق نے تیزاب کی بوتل نکالی جو اسی مقصد کے لیے اس نے خریدی تھی۔

"یہ خوب صورت جسم اس قابل نہیں رہے گا کہ کسی کو بھٹکا سکے تمہارا یہ چہرا میں بگاڑ دوں گا۔" ...درندگی طاری تھی۔

بوتل کا ڈھکن کھول کر اس نے تیزاب ساجدہ پہ جیسی چلی گئی۔ پہلے اس نے بڑی منتیں کیں واسطے دیئے پرانی محبت کا حوالہ دیا۔ آفاق کی ایک ہی رٹ تھی۔ "تمہارے جیسی ناگن کا سر کچل کے رہوں گا تم میرے جذبات کے ساتھ کھلونے کی طرح کھیلتی رہی ہو موقع چاہتا تھا موم کا گڈا نہیں تھا اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔" ساجدہ کا حسن شاداب جسم بھی کام نہ آسکا آخری وقت اس نے اس کی بھی رشوت پیش کی جسے آفاق نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

جہاں جہاں تیزاب گرا وہاں وہاں سے گوشت پوست ... شاداب وجود عجیب ہیبت ناک شکل اختیار کر گیا۔ تکلیف کی شدت سے وہ ہوش سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ آفاق عالم تو اپنا کام پورا کر کے اسی وقت نکل گیا۔ تیمور نے حامد کو رسیوں سے آزاد کیا اور اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ حامد کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی ساجدہ اس کی محبوب بیوی اس حال میں بے ہوش پڑی تھی کہ اس کا چہرہ دیکھ کر کراہیت اور گھن آرہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بے وفائی کرتی رہی اور اسے پتہ ہی نہ چل سکا۔

...سال۔ حامد کو آج احساس ہوا کہ ساجدہ کے ساتھ شادی کر کے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ... بڑی غلطی جس نے اسے زار زار رلاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

پولیس اس واقعے کی تفصیلات جاننے اور تفتیش کرنے حامد کے گھر گئی تو اس نے یہی کہا کہ دو نقاب پوش رات ان کے گھر گھس آئے سیف کی چابیاں دینے سے انکار پہ انہوں نے اس کی بیوی کو بری طرح زدوکوب کیا اور پھر تیزاب پھینک کر فرار ہو گئے۔ آفاق عالم کا تو نام ہی اس نے نہیں لیا تھا۔ اس بیان میں کئی جھول تھے پولیس کو بھی اس بیان پہ یقین نہیں تھا پر حامد سختی سے اپنی بات پہ ڈٹا رہا۔

ادھر ساجدہ بے ہوشی کے عالم میں ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی اس کا خوب صورت چہرا بری طرح مسخ ہو چکا تھا۔ اب تقریباً تقریباً ناممکن ہی تھا جو وہ اپنی کھوئی ہوئی خوب صورتی پا سکتی۔ پولیس اس کے ہوش آنے کے انتظار میں تھی۔

مصطفیٰ نے شادی کے لیے لڑکی پسند کر لی تھی۔ ساجدہ پہ تیزاب پھینکے جانے کی خبر اسے اخبار سے معلوم ہوئی تھی۔

خبر پڑھنے کے بعد اس نے اخبار لاپروائی سے ایک طرف ڈال دیا۔

"ساجدہ جیسی عورتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔" ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آئی۔

وہ ضد کر رہی تھی کہ وہ جلد از جلد اسے شادی کر لے اور اپنے گھر والوں سے ذکر کرے تاکہ وہ حامد سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ بھلا وہ ساجدہ جیسی گاؤں کی پروردہ معمولی تعلیم یافتہ لڑکی کو لائف پارٹنر بنائے بے شک وہ خوب صورت تھی پر اس عورت کی خوب صورتی کس کام کی جس کا کردار ہی مشکوک ہو۔

یہ ساجدہ ہی تھی جس کی وجہ سے وہ حوریہ جیسی بے مثال لڑکی کو ٹھکرا گیا۔ اب اپنے فیصلے پہ پچھتاوے کا احساس ہوتا — کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ نہ کرتا تو آج حوریہ اس کے ساتھ ہوتی۔ اس جیسی باکردار لڑکی تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔

اس نے خود ہی اپنے پاؤں پہ کلہاڑی ماری تھی تکلیف تو ہونی ہی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ سب افسردہ تھے ساجدہ جیسی بھی تھی ان کی پڑوسن تھی حامد کی بیوی تھی جن کے ساتھ اچھا وقت گزرا تھا۔ ولید اور حوریہ کی شادی میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے اس نے تمام گھر والوں کے دل جیت لیے تھے۔

حوریہ کو بہت دکھ ہوا تھا۔ خود صفورا بیگم تاسف سے ہاتھ مل رہی تھیں۔ ساجدہ ایک انسان بھی تو تھی اسے ہونے والی تکلیف کا صرف اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اس بات کو بھی جاننے کا تجسس تھا کہ اس پہ تیزاب پھینکنے والا کون ہے؟

✡ ✡ ✡

پروا اس کے سامنے بیٹھے رو رہی تھی۔ ابھی ابھی اس نے اپنے اور سلیمان کے نکاح کا جو انکشاف کیا تھا اس انکشاف سے تیمور کو یوں لگا تھا جیسے اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر ہزار ہا ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے۔

"میں نفرت کرتی ہوں سلیمان سے اس نے بابا سائیں سے انہیں گرفتار کرنے کے لیے نکاح کا ڈرامہ رچایا۔ میں اتنی بدقسمت ہوں مجھے اپنے باپ کا مرا ہوا منہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا نہ یہ پتہ ہے کہ بابا سائیں کہاں دفن ہیں؟ تم میرے دوست ہو نا! پلیز مجھے بابا سائیں کے گاؤں تک چھوڑ کر واپس آجاؤ پلیز! مجھے وہاں تک لے جاؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں اکیلی ہوں نا۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی جسے تیمور کا دل قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا۔

وہ اس لڑکی سے محبت کرتا ہے کیسے اسے روتا دیکھ [illegible] ہے؟

"پروا! اٹھو میرے ساتھ آؤ۔" اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا اس کے آنسو تھم گئے۔

"تم میرے ساتھ جاؤ گی۔" وہ اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں فی الحال تم میرے ساتھ میرے گھر آؤ۔" وہ بہلا رہا تھا۔

پروا کو وہ اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ صدف بھابھی [illegible] کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ رو رو کر پروا کی حالت خاصی قابل رحم ہو رہی تھی۔ تیمور نے دودھ کے ساتھ سلیپنگ پلز زبردستی اسے کھلائی۔

وہ سوچ چکی تھی۔ اس نے تیمور کے سامنے سلیمان سے اپنی نفرت کا اظہار کیا اور واضح اعلان کیا کہ وہ سلیمان کے ساتھ نہیں رہے گی نہ اس کے گھر جائے گی زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھے گی۔ تو کیا جب وہ اپنے دل کا حال سنائے گا تو وہ اسے قبول کر لے گی؟ یہ سوال اس کے دل میں چبھ رہا تھا۔

فی الحال وہ ضد کر رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بابا سائیں کے آبائی گاؤں چلے۔ ادھر پڑوس میں ساجدہ والا حادثہ ہو چکا تھا جس پہ وہ بھی پریشان تھا۔

پروا صبح دیر تک سوتی رہی۔ صبح بیدار ہوئی تو دہرا دی کہ اسے گاؤں جانا ہے۔

"پروا گاؤں کافی دور ہے آج سفر کا انتظام کرتے ہیں کل چلیں گے۔" تیمور نے اسے سمجھایا تو وہ چپ ہو گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب سلیمان اسے پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

سلیمان اسے ابھی ابھی تیمور کے گھر سے زبردستی لایا تھا۔ اگر تیمور اسے فون کر کے پروا کے بارے میں نہ بتاتا تو اور نہ جانے وہ کتنا پریشان ہوتا۔ اسے دیکھتے ہی پروا کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ہٹ دھرمی پہ اتر آئی۔ سلیمان کو [illegible] تو بہت آیا مگر پی گیا سب کے سامنے وہ تماشہ بنانا نہیں چاہتا تھا۔ پروا کو وہ واپس لایا تو طاہرہ پریشان سی برآمدے میں کھڑی تھیں۔

سلیمان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے اسے اس طرح دیکھ کر طاہرہ بھی ڈر گئیں۔ سلیمان کا غصہ تھا ہی ایسا کہ [illegible] سارا گھر سہما رہتا تھا۔

پروا کو وہ سیدھا اپنے کمرے میں لے آیا۔ نائلہ ششدر سی سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ دو روز سے سلیمان اتنا پریشان اور ڈسٹرب رہا تھا کہ ماں ہونے کے ناطے طاہرہ کا دل بھی پگھل گیا اب تو ان کی یہی دعا تھی کہ کسی طرح پروا مل جائے تاکہ سلیمان کو سکون آجائے ان کی ساری نفرت اور ناراضگی جو انہیں پروا سے تھی ختم ہو گئی تھی۔

"مما آپ اوپر جائیں نا!" نائلہ طاہرہ سے بولی خود وہ اوپر جانے کی ہمت نہیں پا رہی تھی "جانے بھائی پروا کے ساتھ کیا کر رہے ہوں گے؟" اس سوچ کے ساتھ ہی اسے رونا آ رہا تھا کیونکہ سلیمان نے کل ہی تو کہا تھا اگر پروا مل جائے تو وہ اسے سبق سکھا دے گا۔

"اسے سمجھا رہا ہو گا۔" طاہرہ خود اندر سے ڈر رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"تم کیوں اس طرح گئیں مجھے کہتی میں خود تمہیں لے جاتا۔ میرے ساتھ تم محفوظ رہتی وہاں پرائے لوگوں کے سامنے تم نے میرا تماشہ بنا دیا کہ میں نے نہیں جانا — کیوں کیا تم نے ایسا بولو جواب دو۔" سلیمان درشت تیور لیے قہر و غضب میں بھرا عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"بس میں نے آپ کے ساتھ نہیں رہنا آپ نے نکاح کے نام پہ میرے ساتھ ....." آنسوؤں کی زیادتی سے اس سے بات ہی پوری نہیں کی گئی۔

"تم نے کیوں میرے ساتھ نہیں رہنا۔" سلیمان کے فولادی ہاتھ اس کے کندھوں میں گڑ گئے۔

"اس لیے کہ مجھے آپ سے نفرت ہے۔"

"ایک دفعہ پھر کہنا۔" اس کے ہاتھوں کا دباؤ اس کے کندھوں پہ یکدم بڑھ گیا۔

"مجھے آپ سے نفرت ہے، مجھے آپ سے نفرت ہے، مجھے آپ سے نفرت ہے۔" روتے روتے وہ اس کے فراخ سینے سے لگ گئی۔

"مجھے بھی تم سے نفرت ہے۔" سلیمان نے اسے بڑی نرمی سے سمیٹ لیا۔ جذبوں کی شدت سے وہ پگھل رہا تھا۔

"آئندہ مجھے چھوڑ کے تو نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم نے میری جان نکالنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی، کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں۔ مجھ سے دور رہ سکتی تھیں؟ تم نے سچ مچ میرا سکون لوٹ لیا ہے پروا!" سلیمان کے اعترافِ شکست نے اسے شانت کر دیا۔

بڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ سلیمان سے کس قدر قریب ہے اس نے بازوؤں کے گھیرے سے نکلنا چاہا۔

"ابھی نہیں، میں نے تمہیں بتایا ہی نہیں کہ میں تم سے کتنی زیادہ نفرت کرتا ہوں۔" پروا نے نگاہ چرائی۔

اچانک دروازے پہ بڑی زور دار دستک ہوئی۔ پروا تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی۔ سامنے طاہرہ بیگم اور نائلہ کھڑی تھیں۔ پروا کو پھر رونا آ گیا۔

"آنٹی! مجھے معاف کر دیں۔" طاہرہ بیگم نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"بس کرو پروا! آئندہ اس طرح کی حماقت نہ کرنا۔" ان کے لہجے اور آنکھوں میں پیار تھا۔ پروا اندر تک پرسکون ہو گئی۔

"تمہارے انکل کب سے پوچھ رہے ہیں کہ پروا آئی ہے۔ نائلہ نے فون کر کے انہیں تمہارے آنے کی اطلاع دی تھی۔ فوراً نیچے آؤ۔" طاہرہ بیگم ساڑھی کا پلو سنبھال کر نائلہ کے پیچھے پیچھے چلی گئیں۔

"سلیمان! میں بہت شرمندہ ہوں۔ کیسے انکل کے سامنے جاؤں۔"

"اب جو کیا ہے وہ بھگتو بھی۔" سلیمان شرارت پہ آمادہ تھا۔ وہ روہانسی ہو گئی تو سلیمان سنجیدہ ہو گیا۔

"آؤ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس بات کا یقین رکھنا کہ سلیمان ہر دکھ سکھ میں تمہارے ساتھ ہے۔" وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔

پروا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

✡ ✡ ✡

"حوریہ کی بچی، آخر کب تک تمہارا یہیں ڈیرے ڈالے رکھنے کا ارادہ ہے۔ اتنا آفت موسم ہو رہا ہے اور تم

میرے بھائی کو یہاں بیٹھ کے آزمانے پہ تلی ہو۔" صدف کا انداز خبر لینے والا تھا۔

"بھابھی! مجھے عثمان سے ڈر لگتا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"حوریہ! اب جب ساری بات کھل گئی ہے۔ تم ہی سمجھ داری سے کام لو' عثمان بہت اچھا ہے۔ تم چھ روز سے یہاں ہو' عثمان کا کل بھی فون آیا تھا تم تیاری کرو میں اور ولید تمہیں چھوڑ آئیں گے۔ تم ناراض ہو کے تو نہیں آئی ہو نا! وہ تمہارا اپنا گھر ہے۔"

"بھابھی! بس نہ جانے کیوں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔"

"سارے ڈر اور سارے خوف دل سے نکال دو۔ اس سے پہلے کہ تمہاری حماقت کا کسی اور کو بھی پتہ چل جائے۔"

"بھابھی! آپ کتنی اچھی ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

اتنے میں پیچھے سے تیمور بھی آگیا۔ وہ حوریہ کا آخری جملہ سن چکا تھا۔

"بہنا! میری زیادہ تعریفیں مت کیا کرو کیونکہ مجھے پتہ ہے۔

مجھ سا کوئی پیارا کوئی معصوم نہیں ہے"

وہ گنگنایا تو ان دونوں کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

حوریہ نے شکر کیا کہ تیمور' پروا والا شاک بھلا کے نارمل ہو گیا ہے۔

✡ ✡ ✡

سب لوگ ہنس بول رہے تھے' صدف بھابھی اور ولید بھائی اسے چھوڑنے آئے تھے۔ نگینہ بیگم اور عثمان نے انہیں کھانے پہ روک لیا۔

ان کے جانے کے بعد حوریہ نے برتن سمیٹے اور کچن صاف کیا' زینت بوا نے برتن دھوئے' وہ اب فارغ تھی۔

عثمان کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ آج پھر بارش ہو رہی تھی۔ کچھ دیر اس نے بارش کی بوندوں کو ہتھیلی میں پکڑنے کی کوشش کیں۔ وہ کمرے میں جا چکی تھی۔

عثمان سیڑھیاں چڑھ کے جونہی اوپر آیا' وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی خوشبو امنڈ پڑی۔ وہ سجی سنوری بے پناہ اچھی لگ رہی تھی۔

عثمان صوفے پہ بیٹھ کے جونہی جوتے اتارنے لگا حوریہ اس کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

حوریہ اس کے جوتے اتارنے لگی تو عثمان نے روک دیا۔

"مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔" اس نے نرمی سے ٹوکا۔

"مگر مجھے اچھا لگے گا۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا۔" اس نے جوتے اتارے۔ تھکا تھکا سا نکھرا ہوا اور شرٹ کے اوپری دو کھلے بٹنوں کے ساتھ وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"یہ ہار جیت کی باتیں
کل پہ اٹھا رکھیں
آج موسم بہت اچھا ہے
آؤ
آج دوستی کر لیں"

حوریہ گلابی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائے کھڑی تھی۔ عثمان کی ساری خفگی پل بھر میں ہوا ہو گئی۔

سادہ سے اظہار ندامت نے گزشتہ سارے شکوے دھو ڈالے تھے۔ گلاس ونڈو کے پاس کھڑی حوریہ کے شانوں کے گرد اس نے اپنے بازو پھیلا دیے۔

"بہت سارے خوب صورت دن' ہم نے ضائع کر دیے ہیں۔ بارش کی وہ رات مجھے نہیں بھولتی جس کے حوالے سے میں نے بڑے خوب صورت خواب بنے تھے۔ ایسی ہی رات ہے آج۔" عثمان کا لہجہ سرگوشی میں ڈھل گیا۔

"میں بہت انتہا پسند ہوں اور تمہارے معاملے میں تو کچھ زیادہ۔" وہ بہک رہا تھا۔

باہر بارش نے خوابناک سی دھند پھیلائی ہوئی تھی۔ بارش اس کی زندگی میں خوشیاں لے کر آئی تھی۔

عثمان نے اس سے کوئی وضاحت نہیں مانگی تھی' نہ اسے معذرت کرنی پڑی تھی' ایسا ہی اعلا ظرف اور سلجھا ہوا۔

"اتنے روز میکے میں لگا دیے' میں انتظار ہی کرتا رہا۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اب کبھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" حوریہ نے مسکرا کر یقین دلایا تو وہ اسے اپنے پیار کی بارش میں بھگو گیا۔